پاکستان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا خواتین کا مقبول ترین ہفت روزہ

خواتین کا اسلام

914
جلد 10 ربیع الاول 1442ھ مطابق 28 اکتوبر 2020ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القرآن

ذکر اللہ باعثِ اطمینان ہے

(یعنی) جو لوگ ایمان لاتے اور جن کے دل یادِ خدا سے آرام پاتے ہیں اور سُن رکھو کہ اللہ کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیے اُن کے لیے خوش حالی اور عمدہ ٹھکانا ہے۔

﴿سورۂ رعد، آیات: 28،29﴾

الحدیث

بے اطمینانی والا کام

حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ! آپ مجھے بتائیں کہ نیکی کیا ہے اور برائی کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے اپنی تین انگلیوں کے ساتھ اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اے وابصہ! اپنے دل سے پوچھ لیا کرو! نیکی وہ ہے جس سے دل اور نفس مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جو دل اور سینے میں کھٹکے، اگرچہ لوگ اس کام کو صحیح قرار دیں۔ ﴿مسند احمد﴾

خامی

حنا نرجس

مجھے تکون بہت اچھے لگتے ہیں۔ انھیں بنانے کے لیے ضرورت ہوتی ہے تین نقاط کی۔ خواہ وہ ایک دوسرے سے کتنی ہی دوری پر کیوں نہ ہوں۔ اُس میں فاصلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، بس ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کے لیے مطابقت اور ہم آہنگی درکار ہوتی ہے۔

تینوں نقاط کو آپس میں ملائیں اور تکون یعنی ٹرائی اینگل مکمل۔

اب اِن نقاط کی جگہیں تبدیل ہوتی بھی رہیں تو تکون صرف اپنا انداز بدلتی ہے، رہتی ٹرائی اینگل ہی ہے۔ ہاں مسئلہ تب ہوتا ہے جب ایک نقطہ کہیں کھو جائے یا کہنے لگے کہ میں اب مزید تم دونوں کے ساتھ نہیں چل سکتا، میری ترجیحات مختلف ہو گئی ہیں، میں الگ انداز سے سوچنے لگا ہوں، اکیلا ہونا چاہتا ہوں اور تم دونوں سے رابطے توڑ دینا چاہتا ہوں۔

اب جب تکون کے ساتھ یہ سانحہ ہو جاتا ہے تو پیچھے رہ جاتے ہیں دو نقاط...... اور آپ جانتے ہی ہیں کہ دو نقاط سے کبھی کوئی تصویر، کوئی سانچہ نہیں بن سکتا۔

اور یہی وہ نکتہ ہے جہاں تکون یعنی ٹرائی اینگل باقی شکلوں سے مار کھا جاتی ہے۔

دیکھیں نا اگر اوکٹا گون (آٹھ نقاطی شکل) کا ایک نقطہ کھو جائے تو وہ ہیپٹا گون (سات نقاطی شکل) بن سکتی ہے، مزید ایک کھو جائے تو ہیکسا گون (چھے نقاطی شکل)، مزید کھو جائے تو پینٹا گون (پانچ نقاطی شکل)، مزید کھو جائے تو فور سائیڈڈ فگر (مربع)، اور مزید کھو جائے تو بھی کم از کم ٹرائی اینگل (تکون) تو بن ہی سکتی ہے،

لیکن...... تکون کے پاس ایسا کوئی آپشن نہیں ہوتا۔ ایک نقطہ بھی ساتھ چھوڑ جائے تو وہ اپنا وجود ہمیشہ کے لیے گم کر دیتی ہے۔

دو نقاط ساری زندگی چھپ چھپ کر گھٹ گھٹ کر تیسرے نقطے کے جانے کا غم سہنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے بھی نظریں چراتے ہیں، اس امید پر کہ شاید اس طرح نامکمل ہونے کے احساس کو اور جانے والے کی بے اعتنائی کو بھلایا جا سکے۔

تو خیر میں بتا رہی تھی کہ مجھے ٹرائی اینگلز بہت اچھی لگتی ہیں، بس اُن میں ایک خامی ہوتی ہے......!

تو کیا سمجھیں آپ......؟

لاؤ

پکایا ہے اگر تم نے پلاؤ
کرو تاخیر مت، جلدی کھلاؤ

کرو مت فاسق و فاجر کی دعوت
ہمیشہ متقی مہماں بلاؤ

کرو رخصت اگر باہر ہی باہر
تو پکتا اندر اندر ہے الاؤ

نئے انداز سے رکھو تعلق
پرانی رنجشوں کو اب بھلاؤ

جگاؤ فجر میں چاہو جو صحت
تو شب کو بچوں کو جلدی سلاؤ

جو چاہو داخلِ جنت ہو اولاد
تو ان کو راہِ سنت پر چلاؤ

جو صحت مند رہنا چاہتی ہو
تو لے کے ٹینشن دل مت جلاؤ

ہے گر دل کا سکوں مطلوب تم کو
تو نامحرم سے آنکھیں مت ملاؤ

اثر بن جاؤ اس ہانڈی کے چمچے
اب اپنی دال تم ایسے گلاؤ

اثر جونپوری

میری وجہ سے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

ایک بیوی نے، جس نے اپنے کڑوے مزاج اور بدزبانی سے خاوند کا جینا حرام کیا ہوا تھا، ایک صبح خاوند کو خلافِ معمول بہت تہذیب سے جگایا اور نہایت احترام اور محبت سے بولی: ''میرے سرتاج! اب اٹھ جائیے، دیکھیے صبح ہوگئی۔''

خاوند بے چارہ حیرت سے آنکھیں مَل مَل کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ بیگم اتنی ملائمت سے کسے ''سرتاج'' کہہ رہی ہے۔ آخر اُس پر انکشاف ہوا کہ کوئی اور نہیں، وہ خود ہی ہے جسے تازہ تازہ بیگم کے سر کا تاج ہونے کی سعادت ملی ہے۔

یہ حقیقت جان کر بے چارہ بجائے خوش ہونے کے سخت پریشان ہوگیا کہ ہو نہ ہو بیگم صاحبہ کی طبیعت آج خراب ہوگئی ہے......!

اور اُس وقت تو خاوند بے ہوش ہوتے ہوتے بچا، جب بیگم شاندار ناشتا لیے کمرے میں داخل ہوئی اور اُس کے سامنے ناشتے کی ٹرے رکھ کر بڑے ادب واحترام سے کہنے لگی:

''تناول فرمائیے حضور۔!''

اب تو خاوند چپ نہ رہ سکا:

''یہ......یہ آج صبح صبح ہوا کیا ہے تمھیں؟......یہ اچانک اتنی بڑی تبدیلی کیسے؟''

بیوی نے مسکراتے ہوئے کہا:

''جناب! کل شام ہمسایوں کے گھر میں تبلیغ والی بیبیاں آئی ہوئی تھیں۔ کہہ رہی تھیں کہ جس مرد کی بیوی بدزبان ہوگی، اللہ اُس کی مغفرت فرمادے گا اور ہوسکتا ہے کہ اُس مرد کو بیوی کی بداخلاقی اور بدتمیزی برداشت کرنے پر جنت میں بھی داخل کر دے۔''

خاوند نے کہا: ''یہاں تک تو بات ٹھیک ہے، آگے کہو؟''

اب بیوی کی مسکراہٹ غائب ہوکر چہرے کے زاویے بگڑ گئے، غراتے ہوئے کہنے لگی:

''آگے یہ کہ جنت میں جانا ہے تو اپنے اعمال سے جاؤ نا!......میسنے بن کر میری وجہ سے کیوں جاتے ہو؟''

لطیفہ پڑھ کر آپ کو یقیناً ہنسی آئی ہوگی، ہم بھی خوب ہنسے تھے، لیکن لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ اگر غور کریں تو اِس لطیفے میں جو ہنسی کی بات ہے یعنی ''میری وجہ سے'' قریب قریب وہ ہم سب کا ہی حال ہے۔

آئینہ گفتار

خودغرضی ہمارے مزاج میں کچھ اِس حد تک سرایت کرگئی ہے کہ کوئی بندۂ خدا ہماری وجہ سے جنت میں جانے والا بن جائے، یہ بھی ہم سے اکثر برداشت نہیں ہوتا۔ کبھی کسی دوست سے ہماری شکررنجی ہوجائے تو ہم اُس کی آخرت کے لیے بھی دعا کے روادار نہیں ہوتے کہ کہیں اُس کا بھلا نہ ہوجائے۔

دوسری طرف تاریخ کے صفحات پر ہمیں اپنے اسلاف اُمتِ دعوت ہی نہیں، اُمتِ اجابت کو بھی جہنم سے بچانے کے لیے جان کو گھلا دینے والی محنتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ہاں ویسے ایک دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو ہم بھی مسلمانوں کو جنت میں لے جانے کی کچھ کم محنت نہیں کررہے۔ ہماری وجہ سے بہت سارے مسلمانوں کی مغفرت ہورہی، اُن کے درجات بلند ہورہے، وہ جنت کے قریب ہورہے ہیں، مگر یہ سب ہم خود اپنے آپ کو جہنم میں لے جانے کی قیمت پر کررہے ہیں......!

جی ہاں! دوسروں کو ستاکر، اُن کے حقوق دباکر، اُن پر ظلم کرکے۔ کیوں کہ جیسا کہ لطیفے میں بیان ہوا، اِس طرح کے بدافعال سے آپ کے ستائے ہوئے لوگ تو بلاشبہ جنت کے قریب ہوجاتے ہیں، مگر خود آپ تو جنت سے دور ہوجاتے ہیں، سو یہ کیسی بڑی حماقت ہے کہ اپنی جنت بگاڑ کر دوسروں کی جنت بنائی جائے۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ ہمیں نہ تو لطیفے والی بیوی کی طرح ''وہ'' والی حرکتیں کرکے اپنے متعلقین پر جنت اور خود پر گویا جہنم واجب کرنا چاہیے اور نہ ہی لطیفے والی بیوی ہی کی طرح ایسی خودغرضی اختیار کرنا چاہیے کہ ''میری وجہ سے'' کوئی جنت میں جائے کیوں؟

والسلام مدیر مسئول محمد فیصل شہزاد

مدیرِ اعلیٰ: مفتی فیصل احمد | مدیر: انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان | مدیرِ مسئول: محمد فیصل شہزاد

''خواتین کا اسلام'' دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com

خواتین کا اسلام انٹرنیٹ پر www.dailyislam.pk سالانہ زرِتعاون اندرونِ ملک: 1000 روپے، بیرونِ ملک: 6000 روپے

تیری سنگت

اہلیہ مولانا عبدالغفار بخش - حیدرآباد

''کاش میں آپ کے لیے کچھ لکھ سکتی۔''

یہ الفاظ میری زبان سے اک حسرت کی صورت نکلے۔

''اچھا! کیا لکھو گی میرے بارے میں......؟''

انھوں نے مسکراتے ہوئے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

''یہی کہ......کہ......بس مجھے نہیں پتا۔'' میں گڑبڑا سی گئی۔

......☆......

''میں اپنی بیٹیاں علما کو دوں گا۔''

ابو جان کا یہ جملہ جب پہلی بار میری سماعت تک پہنچا تو میں نے سوچا کہ یقیناً عالم بہت اچھے لوگ ہوتے ہوں گے، تبھی تو ابو یہ بات کر رہے ہیں، پھر جب ہم کچھ سمجھ دار ہوئے تو ہماری نظروں سے آیت کا ترجمہ گزرا کہ ''اللہ سے ڈرنے والے علماء ہی ہیں۔''

یہ پڑھنا تھا کہ گویا ابو کے قول پر آیت مبارکہ کی مہر لگ گئی اور میرا عزم بھی کچھ یوں ہو گیا۔ ''میں اللہ سے ڈرنے والے یعنی عالم ہی سے شادی کروں گی۔''

اور میرے اللہ نے بھی میرے والدین کی سن لی اور قرعہ فال محترم کے نام نکل آیا۔

بس پھر کیا تھا چٹ منگنی پٹ بیاہ......!

''علی بہت بڑے دل والا ہے۔'' یہ جملہ میں اپنے مولانا کے بارے میں گھر والوں اور خاندان والوں کی زبان سے اکثر سنتی رہتی ہوں، اور دوسرا جملہ جوان کی خاص صفتوں میں سنا، وہ یہ کہ ''علی کو غصہ بہت کم آتا ہے۔''

ہاں یہ اور بات کہ جب ایسے بڑے دل والے وسیع الظرف لوگ خاموش رہنے لگیں تو اُس کا مطلب ہے کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ میں بھی دل ہی دل میں بہت گھبراتی، کیونکہ میں نے سنا ہے کہ جو لوگ کم غصہ کرتے ہیں، انھیں جب غصہ آجائے تو پھر بہت زوردار آتا ہے، دماغ ٹھیک کر دیتے ہیں۔ اس لیے جب بھی اپنے مولانا کو معمول سے ہٹ کر خاموش خاموش دیکھا فوراً بہت ہی بااخلاق بننے کی کوشش کرتی اور ہر وقت مسکرانے لگتی۔

''ہم دوست ہیں پاگل......!'' یہ جملہ جب اُن کی زبان سے نکلتا ہے تو مجھے لگتا ہے دنیا میں مجھ جیسا خوش نصیب شاید ہی کوئی ہو۔

''پریشان نہیں ہوا کرو میں ہوں ناں، سب ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ!......میری بیوی بہت سمجھ دار ہے......میں نے کون سی نیکی کی تھی جو تمھاری صورت مجھے انعام مل گیا۔'' اِس طرح کے جملے اور بھی بہت ہیں، جو میری اداسی دور اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لانے کے لیے وہ کہتے ہیں۔ میں یہ سن کر جلدی سے ماشاء اللہ کہتی ہوں کہ کہیں میری ہی نظر نہ لگ جائے اور خوب اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے ایسے شریک حیات سے نوازا۔

الحمدللہ! ہماری شادی کو چار سال ہو گئے اور مجھے ابھی تک انھوں نے ڈانٹا بھی نہیں ہے، البتہ سر پر چپت تو لگتی رہتی ہے۔ خوشگوار زندگی، دونوں میاں بیوی کے حسن سلوک کی ہی مرہون منت ہوتی ہے اور ایثار و قربانی اس کو حسین ترین بنا دیتی ہے۔ جیسے کسی نے کہا ہے اور بہت ہی خوب کہا ہے کہ اچھا شریک حیات ملنا قسمت ہوتی ہے اور اس کو سنبھال کر رکھنا ہنر......!

بیوی کو چاہیے کہ اپنے شوہر سے اُس کی حیثیت کے مطابق خرچ لے اور شوہر کی استطاعت سے زیادہ مطالبہ نہ کرے۔ اگر ہم عورتیں ایسا کریں گے تو دو چیزوں میں پڑ جائیں گے ''جھگڑا اور حرام''۔

شوہر کو بھی چاہیے کہ اپنی بیوی کو وقت دے، جس طرح فیس بک کو غور سے دیکھتا ہے، اس سے زیادہ اپنی بیوی کے ''فیس'' کو دیکھ کر لائیک کا بٹن میرا مطلب ہے، تعریفی کلمات کہہ دیا کرے تو جناب! میرا تو اپنا تجربہ ہے کہ سارے دن کی تھکن اڑن چھو ہو جاتی ہے۔

اِس تحریر کے ذریعے میں ایک پیغام سارے شوہر حضرات کو دوں گی کہ جو باورچی خانے میں آپ کے لیے اپنا ہاتھ جلا دیتی ہے، براہِ مہربانی گھر آ کر کوئی دل جلا جملہ اچھال کر، اُس کا دل نہ جلایا کریں۔

اور ایک پیغام بیگمات کے لیے کہ جو سارا دن گھر سے باہر آپ کے لیے تکلیفیں اٹھاتا ہے اور خون پسینہ ایک کرتا ہے۔ براہِ کرم گھر آنے پر ان کا اچھی سی مسکراہٹ سے استقبال کیا کریں۔

مرد اور عورت دیوار پر چڑھتی بیل کی طرح ہے۔ شوہر دیوار اور بیوی گویا بیل کی مانند ہے۔ دیوار بیل کو سہارا فراہم کرتی ہے، جب کہ بیل دیوار کو

خوبصورت بناتی ہے، اور یہ بیل اتنا ہی اونچا جاتی ہے جتنی کے دیوار......!

مجھے تو کبھی لگتا ہے کہ شادی اور بجلی کے تار کا عجب جوڑ ہے، جو صحیح جڑ جائے تو روشنی، اور جو خدانخواستہ غلط جڑ جائے تو دھماکے۔

اس لیے کبھی کبھی محترم ہمیں کہتے ہیں کہ میں تو ارتھ ہوں شریف، معصوم اور سادہ اور تم کرنٹ ہو، اور میں مسکراتے ہوئے بولتی ہوں کہ یہ تو آپ کی محبت ہے، ورنہ ہم اتنے پاورفل کہاں......!؟

......☆......

''سو گئے؟......اٹھیے ناں، دیکھیں میں نے آپ کے لیے تحریر لکھی ہے۔''

میں نے اتنا کہہ کر انھیں متوجہ کیا۔

''تحریر کا موضوع کیا ہے؟'' میرے مولانا کا سوال مجھے چونکا گیا۔

''شریک حیات......''

''صرف شریک حیات'' انھوں نے آنکھیں دکھائیں۔

''نہیں نہیں، میں یہ تو بتانا بھول ہی گئی کہ ہم شریک حیات بھی ہیں اور بعد الممات بھی ہیں، یعنی شریک دارین......ان شاء اللہ تعالیٰ۔

میری اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہماری جوڑی کو دونوں جہانوں میں سلامت رکھے، آمین! جیسا کہ اللہ میاں نے پیارے نبی اکرم ﷺ اور امہات المومنین کی پاکیزہ جوڑیاں دونوں جہاں میں بنائی ہیں۔

تیری سنگت کے حسن کو میں بیان کروں کس طرح
تو میرے لبوں کی مسکراہٹ میرے من کی بہار ہے

☆☆☆

حفصہ محمد فیصل

پہلی بیوی

وہ بے خودی کے عالم میں شہریار کو دیکھ رہی تھی، جو اُس کی امیدوں سے بھی بڑھ کر ثابت ہوا تھا۔

نورالھدیٰ اور نورالسحر دونوں لڑکیاں تو اُس کی دیوانی ہوگئی تھیں۔

آج اسے سچے جذبوں سے مانگی دعا پر یقین ہوگیا تھا۔

''امی! یہ دیکھیں آپ کی پسند کا کیک۔''

''واہ وا......بھئی بہت خوب۔ تم بہت پیاری بیٹی ہو۔''

صبا نے نورالسحر کو پیار کیا۔

''شکریہ صبا! تم نے ماہ نور کی کمی پوری کردی ہے۔''

شہریار ایک جذب کے عالم میں بولا تھا۔

''واقعی! مرد کبھی اپنی پہلی بیوی کو بھلا نہیں سکتا۔ دوسری بیوی کی تعریف بھی پہلی سے مربوط ہوتی ہے۔''

صبا نے یاسیت سے سوچا اور پھر سر جھٹک کر اس خوبصورت کیک کو دیکھنے لگی، جو اس کی سوتیلی بیٹی نے بہت پیار سے اس کے لیے بنایا تھا۔

مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی

خواتین کے دینی مسائل

اگر نماز میں چوتھائی سر کھلا رہے:

سوال: ایک خاتون نماز پڑھتی ہیں، لیکن دوپٹا سر سے سرک جاتا ہے اور سنبھالے نہیں سنبھلتا۔ اب اگر وہ اس طرح نماز پڑھیں کہ چوتھائی سر سے کم بال کھلے رہیں تو نماز ہوگی یا نہیں؟ نیز اگر کیا دوپٹا دونوں ہاتھوں سے نماز میں باندھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: عورت کے لیے جن اعضاء کا ڈھانپنا ضروری ہے، اُن میں کسی عضو کا اگر چوتھائی حصہ نماز میں کھل گیا اور ایک رکن کی مقدار کھلا رہا تو نماز فاسد ہوجائے گی بلکہ قصداً کھولا تو کھولتے ہی نماز فاسد ہوجائے گی۔ واضح رہے کہ عورت کا سر اور بال دو الگ الگ عضو ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک عضو چوتھائی سے کم نماز میں کھلا رہا تو نماز ہوجائے گی اور اگر دونوں کا کچھ کچھ حصہ رکن کی مقدار میں کھلا رہا تو دیکھا جائے کہ اگر کھلے ہوئے دونوں حصوں کی مجموعی مقدار دونوں میں سے کسی ایک عضو کی چوتھائی کے برابر ہے تو نماز فاسد ہوگی اور چوتھائی سے کم ہے تو نماز ہوجائے گی۔

اگر دوپٹا سر سے اترنے لگے تو ایک ہاتھ سے سنبھالیں۔ دونوں ہاتھوں سے باندھنے کی صورت میں نماز فاسد ہوگی۔ خواتین کو نماز شروع کرنے سے پہلے ایسا دوپٹا یا چادر اس طریقے سے لینی چاہیے کہ پورے بال، بازو اور سینہ اس میں چھپ جائیں، سوتی چادر استعمال کریں تو بار بار سرکنے کی پریشانی نہ ہو۔

عورت کا سکول میں پڑھانے جانا:

سوال: میں نے ریاضی میں B کیا ہے، میری خواہش تھی کہ بینک میں نوکری کروں، والد صاحب مخالفت کرتے تو میں انہیں دلائل دیتی کہ جدید زمانے کے حالات اور تقاضوں سے آپ واقف نہیں ہیں، لیکن جب سے ''خواتین کا اسلام'' کا مطالعہ شروع کیا، اس میں عورتوں کے حقوق و فرائض اور ان کے دائرۂ کار کے بارے میں مختلف مضامین پڑھے۔ میری سوچ یکسر بدل گئی۔ یہ سوچ کر کامل سکون آگیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے عورت پر کمانے کی ذمہ داری ڈالی ہی نہیں تو کیا ضرورت ہے ہمیں خوار ہونے کی؟ تاہم دو سوال ذہن میں باقی ہیں، ان کا جواب چاہوں گی: (۱) شرعی پردہ کے ساتھ عورت اسکول میں تدریس کے فرائض انجام دے سکتی ہے یا نہیں؟ (۲) ایک پڑھی لکھی خاتون جو ہماری جاننے والی ہیں، ان کے خاوند اچانک فوت ہوگئے ان کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ان کو گورنمنٹ اسکول میں ملازمت مل رہی تھی جو مرحوم خاوند نے نہ کرنے دی۔ اب مجبوراً ایک پرائیوٹ ادارے میں وہ ملازمت کر رہی ہیں، معمولی سی تنخواہ ہے۔ گزارہ مشکل سے ہورہا ہے۔ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

(بنت حفیظ، میلسی)

جواب: آپ کی سوچ نہایت مبارک سوچ ہے۔ سلامتِ فکر کی یہ دولت اللہ تعالیٰ ہر مسلمان عورت کو نصیب فرمائیں۔ (۱) معاشی مجبوری کے تحت عورت لڑکیوں کے اسکول میں تدریس کرسکتی ہے مگر اس شرط سے کہ شرعی پردہ کی پابندی کرے، کسی غیر محرم کے سامنے چہرہ ہرگز نہ کھولے۔ (۲) اس بیوہ کے لئے بھی جب اور کوئی ذریعۂ آمدن نہیں تو بامر مجبوری یہ جائز قسم کی ملازمت کرسکتی ہیں۔ ان کے مرحوم خاوند پر یہ اعتراض جائز نہیں کہ انہوں نے زندگی میں ان کو گورنمنٹ اسکول میں ملازمت کیوں نہ کرنے دی؟ مرحوم کی زندگی میں یہ ملازمت جائز نہ تھی۔ اگر بیوہ اور اس کے یتیم بچے مالی بحران کا شکار ہیں اور ضروری اخراجات میں بھی انہیں تنگی کا سامنا ہے تو ان کے وارثوں کا شرعی اور اخلاقی فرض بنتا ہے کہ ان کی مدد کریں۔ بصورت دیگر اسلامی حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔

باریک لباس:

سوال: کیا ایسے کپڑے میں نماز جائز ہے جس میں چلتے پھرتے تو بدن نظر نہ آئے لیکن جب دن میں ایسی جگہ کھڑے ہوں جہاں مدہم روشنی پڑ رہی ہو، جیسے کمروں اور برآمدوں کے اندر نیز شلوار میں ٹانگیں نظر آتی ہوں گو کہ ان کی رنگت صاف طور پر ظاہر نہ ہو؟

(۲) ایسی چادر یا دوپٹہ میں نماز جائز ہے جسے تہ کرکے سر پر ڈالیں تو بالوں کی رنگت نظر نہ آئے، لیکن جسم پر اوڑھیں تو رنگین کپڑوں کا رنگ نظر آجائے گا؟

(۳) ضرب مؤمن میں حضرت اقدس مفتی رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک غیر مطبوعہ وعظ شائع ہورہا ہے، ''نماز میں خواتین کی غفلتیں'' اس میں ہے کہ ایسی چادر جس میں بالوں کا رنگ نظر آتا ہو اوڑھ کر نماز نہیں ہوتی، اس کا بھی اہتمام کریں کہ پوری نماز میں بازو گٹوں سمیت چھپے رہیں، کسی حالت میں بھی گٹوں کا ذرا سا حصہ بھی نظر نہ آئے اگر کسی نے اس میں غفلت کی تو وہ اپنی نماز لوٹائے۔ سوال یہ ہے کہ اگر قمیص کی آستین مکمل ہو تو بھی اوپر چادر سے چھپانا ضروری ہے؟ (س۔ ب۔ درگئی)

جواب: (۱) اس کپڑے میں نماز جائز ہے۔ (۲) اس چادر اور دوپٹہ میں بھی نماز جائز ہے۔ (۳) جب آستین اتنی دراز اور مکمل ہو کہ گٹوں سمیت پورا بازو چھپالے تو چادر سے ہاتھ چھپانا ضروری نہیں۔

حرمت مصاہرت کا مسئلہ:

سوال: آٹھ نو سال پرانی بات ہے میں نے اپنے والد صاحب کے رخسار کا بوسہ لیا تھا، اس وقت میں سولہ سال کی تھی، دینی مسائل کا شعور نہ تھا۔ اب حرمت مصاہرت کے مسائل پڑھے تو وہ واقعہ یاد کرکے سہم گئی ہوں، ڈرتی ہوں کہیں میرے والدین ایک دوسرے پر حرام تو نہیں ہوگئے۔ میں نے لاہور کے ایک دارالافتاء سے فتویٰ بھی منگوایا، لیکن اطمینان نہیں ہوا۔ میں ہر وقت الجھن اور پریشانی میں ہوں، عبادت میں بھی سکون نہیں ملتا۔ میرا مسئلہ حل کیجئے۔ (ایضاً)

محبت میں حصہ

عشوا رانا

’’باجی نے کل بھی فون کیا تھا، آپ بات ہی نہیں کر رہے، طبیعت ٹھیک نہیں ہے ان کی، بات کر لیجیے گا۔‘‘ شائستہ نے اپنی نند کا ذکر کرتے ہوئے شفیق صاحب سے کہا تو وہ منہ بنا کے رہ گئے۔

’’کچھ کہہ رہی ہوں میں آپ سے۔‘‘

شائستہ نے کوئی جواب نہ پا کر دوبارہ متوجہ کیا۔

’’اپنا حصہ لے لیا ہے ناں، اب کون سی محبت جاگ رہی ہے، وقت ملا تو کر لیں گے بات بھی۔‘‘

انھوں نے غصے سے کہا۔

’’کچھ غلط تو نہیں کیا۔ انھیں ضرورت تھی۔ آپ کی بہن ہیں، اگر جائیداد سے اپنا حصہ لے لیا تو کیا ہوا، یہ رشتے تو بے غرض ہوتے ہیں۔‘‘

شائستہ نے گہری سانس لی۔

’’تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔ کل کو ہماری ہی اولاد تنگ ہوگی، اگر وہ ضد نہ کرتیں تو ان کے ہی بھتیجوں کا فائدہ ہوتا۔ باجی کی مدد ہم کرتے رہتے۔‘‘ وہ اسی زمیندارانہ سوچ کے مالک تھے۔ شائستہ چپ ہوگئیں۔ سمجھانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

وہ اپنی بہن کے بچوں کی شادیوں اور ہر موقع پر اجنبیوں کی طرح منہ لٹکائے رہے۔

وقت وقت کی بات ہے۔ وقت گزرا تو انھیں وہ وقت بھی دیکھنا پڑا، جب انھوں نے اپنی زندگی میں ہی جائیداد تقسیم کر دی۔ بیٹوں کو پتا چلا کہ بہنوں کو بھی جائیداد میں حصہ دیا جا رہا ہے تو وہ لڑنے پر اتر آئے۔

یہ دیکھ کر شفیق صاحب رو پڑے۔ جب بات اپنی بیٹیوں پر آئی تو وہ گویا بدل چکے تھے۔ ’’یہ اُن کا حق ہے بیٹا۔ خوشی سے دو۔‘‘ انھوں نے کہا۔

’’ابا! آپ نے بھی تو یہی کیا تھا، مگر پہلے آپ کی کمزوری کی وجہ سے پھپھو ہماری خاندانی جائیداد سمیٹ کر لے گئیں، اب یہ بھی اپنا حصہ لے جائیں گی تو ہمارے پاس کیا رہ جائے گا؟‘‘

ان کے بیٹوں نے وہی بات دہرائی تھی۔

’’محبت کا تو کوئی مول نہیں ہوتا بیٹا!۔‘‘

انھوں نے کہا اور اچانک ان کے سامنے گزرے ماہ و سال آ کھڑے ہوئے جب انھوں نے بہن کی ہر محبت کو جھٹلایا تھا۔

کیا ہوتا جو بہن کی جائیداد نام کرتے وقت وہ مجبوری میں ہی سہی محبت میں بھی حصہ رکھ دیتے۔ محبت ہی تو طاقت ہے ہر رشتے کی۔!

انھوں نے سوچا، مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ بہن اپنی آخری آرام گاہ کو جا چکی تھیں۔

☆☆☆

جواب: حرمت مصاہرت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب شہوت سے ہاتھ لگایا جائے۔ والد بیٹی کو یا بیٹی والد کو محبت و عقیدت سے چوم لے تو اس سے کسی قسم کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ ثبوت حرمت کے لئے شہوت کا وجود یقینی طور پر پایا جانا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے۔ آپ کو وہم ہے۔ یہ خیال ذہن سے نکال دیجئے ورنہ پریشانی اور بڑھے گی۔

معذور کی نماز کا مسئلہ:

سوال: معذور کے لیے مسئلہ لکھا ہے کہ ہر نماز کے لیے علیحدہ وضو کرے۔ سوال یہ ہے کہ اگر تہجد کے وضو سے اس نے فجر کی نماز پڑھ لی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ پھر طلوع آفتاب کے بعد وضو کیا اور اسی وضو سے اشراق چاشت اور ظہر پڑھ لیں تو ان نمازوں کا کیا حکم ہے؟ (ایضاً)

جواب: معذور کا وضو خروج وقت سے ٹوٹتا ہے، دخول وقت سے نہیں۔ لہٰذا فجر کی نماز نہیں ہوئی، اس کا اعادہ ضروری ہے، اشراق، چاشت، ظہر صحیح ہیں:

قال فی التنویر: فاذا خرج الوقت بطل وفی الدر وافاد انه لو توضأ بعد الطلوع ولو لعید او ضحی لم یبطل الا بخروج وقت الظهر (قوله فاذا خرج الوقت بطل) افاد ان الوضوء انما یبطل بخروج الوقت فقط لابدخوله خلافا لزفر ولا بطل منهما خلافا للثانی (ردالمحتار ۱/۳۰۶)

ماؤں کے قصے

اُم محمد سلمان

"ہائے اماں! تھک گئی میں تو صبح سے کام کرتے کرتے۔"

مریم بے دَم سی ہو کے اماں کے سامنے بستر پر ڈھے سی گئی اور تھوڑا آگے سرک کے سر اُن کی گود میں رکھ لیا۔

اماں کے تیزی سے سلائیاں بُنتے ہاتھ وہیں رک گئے۔

"یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے مریم! ذرا ذرا سے کام تم پر بھاری پڑتے ہیں۔"

مریم نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور نہایت شاکی لہجے میں بولی:

"ہائے اماں جان! ایسی بے رخی اور وہ بھی اکلوتی لختِ جگر سے!...... صبح ناشتے کے سارے برتن دھوئے، باورچی خانہ صاف کیا، گھر بھر کی صفائی ستھرائی کی اور آپ کو یہ ذرا سے کام لگ رہے ہیں؟...... اف کہیں یہ صدمہ ہی میری جان نہ لے لے۔"

"توبہ ہے مریم! ڈرامے بازیاں تو کوئی تم سے سیکھے۔" اماں نے زچ ہو کے کہا۔

اِس سے قبل کہ مریم مزید کچھ بولتی، اماں نے فوراً ہی دفاعی حکمت عملی اپنائی:

"ارے نہیں میری لاڈو! تم تو بڑی اچھی بڑی قابل ہو، ماشاءاللہ! اب جاؤ ذرا فریج میں دیکھو، کون کون سی سبزی پڑی ہے؟ دوپہر کے لیے کوئی سالن بنالو۔"

"ہائے اماں! اب کیا سالن بھی میں ہی بناؤں؟ نہیں اماں بالکل نہیں۔ سچی میں بہت تھک گئی ہوں۔ چھٹی کے دن کتنا کام کراتی ہیں آپ مجھ سے...... !"

"اللہ توبہ! یہ آج کل کی اولاد۔ انھیں تو آرام کرواتے رہو بس۔ چلو ہٹو یہاں سے، فریج میں میتھی رکھی ہے وہ مجھے لا کے دو۔ صاف کر کے کاٹ دیتی ہوں، اور تم جا کے قیمہ چڑھا دو چولھے پر۔ آج قیمہ میتھی بنالیں گے۔"

"نہیں اماں جان! ہرگز قیمہ میتھی نہیں بنے گی۔ قیمے کو آخر کس جرم کی سزا دے رہی ہیں آپ میتھی کے ساتھ پکا کے......؟" وہ منہ بسور کر بولی۔

"میتھی کے بڑے فائدے ہیں بیٹی، اُس کے بیج کے بارے میں تو بعض اطبا کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو میتھی دانے کے فائدے پتا چل جائیں تو سونے کے بھاؤ خریدنے لگیں۔"

"بس رہنے دیں اماں! ہمارا دل نہیں چاہتا میتھی کھانے کو۔"

"اے ہٹو بی بی! تمھارے دل کا تو دماغ خراب ہے، جو اچھی بھلی خوش ذائقہ سبزی تمھیں پسند نہیں آتی۔"

"بھئی اماں! ایک بات سن لیں۔ دل کا دماغ خراب ہو یا دماغ کا دل، یہ طے ہے کہ بس آج ہم میتھی نہیں کھائیں گے۔"

"مریم! کچھ خدا کا خوف کرو۔ چپ کر کے کھا لیا کرو جو گھر میں پکے، اگر تمھاری نانی اماں حیات ہوتیں تو تمھارا یہ حال دیکھ کے میری تو خوب خبر لیتیں کہ یہ تربیت کی ہے اپنی بیٹی کی؟ تمھیں اِس طرح پالا تھا میں نے؟"

"اماں! کیا نانی اماں بہت سختی کرتی تھیں؟" مریم نے بھولپن سے پوچھا۔

"اور نہیں تو کیا؟ اماں بابا تو یہ سمجھتے تھے کہ اُن کے بچے، بچے نہیں، فوجی ہیں۔ اماں نے تو مجھے مشین بنا کے رکھا ہوا تھا۔"

"اور اب آپ وہی مشین مجھے بنا دینا چاہتی ہیں، ہے ناں! گویا مریم نہ ہوئی، تختہ مشق ہوگئی۔"

"اسی میں تمھاری بھلائی ہے بیٹا! والدین کے گھر سے ہی کام کی عادت پڑ جائے تو اگلے گھر جا کے پریشانی نہیں ہوتی۔"

اماں نے رسانیت سے اسے سمجھایا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولیں:

"پتا ہے میں گھر میں اتنا کام کرتی تھی کہ کبھی کبھی مجھے لگتا تھا گویا......"

اماں نے بات ادھوری چھوڑ دی اور مریم نے پوری کردی۔

"گویا...... آپ کوئی ماسی ملازمہ ہیں گھر کی، ہے ناں اماں!"

"ارے ماسی ملازمہ کیوں لگتی بھلا......!" اماں جھنجھلائیں۔

"مجھے تو اپنی زندگی قائداعظم کے فرمان کی عملی تفسیر لگتی تھی کہ کام کام اور بس کام۔ صبح فجر پڑھ کے ناشتا بناتی، سب بہن بھائی ناشتا کر کے اسکول چلے جاتے تو امی ابا کو ناشتا دیتی، پھر بڑے بھائی جان کو آفس کے لیے اور چھوٹے بھائی جان کو دکان پر لے جانے کے لیے دوپہر کا کھانا تیار کر کے دیتی، وہ دونوں جاتے تو پھر برتن دھوتی، باورچی خانہ صاف کرتی اور جھاڑو پونچھا بھی خود کرتی۔ اباجی گھر پہ ہی ہوا کرتے تھے، بار بار قہوے کی فرمائشیں کرتے، پھر وہ اکثر اپنی موٹر سائیکل یا گھر کی کوئی مشین کھولے بیٹھے ہوتے تھے تو بار بار کسی نہ کسی اوزار کی آواز لگاتے رہتے۔ چشمے کے اوپر سے گھور کے مجھے دیکھتے اور میں "جی اباجی، جی اباجی!" کرتی دوڑتی پھرتی۔ کبھی یہ لا کر دو کبھی وہ لا کر دو۔ ساتھ ساتھ ڈانٹ بھی پڑتی رہتی، جسے میں اکثر خندہ پیشانی سے برداشت کرتی۔ ہمارے زمانے میں تو ڈانٹ پڑنے پر منہ بنانے کی اجازت بھی نہیں ہوتی تھی۔ یہ بھی والدین کی بے ادبی میں شمار ہوتا تھا۔ خیر اس دوران میں، مَیں کچھ فارغ ہوتی تو اماں پکڑ کے سلائی مشین پر بٹھا دیتیں۔ گھر میں سب کے کپڑے بھی میں ہی سیا کرتی تھی۔ کڑھائی بھی کرتی۔ اپنے جہیز کی بیڈ شیٹ اور تکیے بھی خود ہی میں نے کڑھائی کیے، قمیصیں بھی، پھر دوپہر کی روٹیاں بنا کے رکھتی۔ اسکول سے بہن بھائی آجاتے تو کھانا لگاتی، پھر ظہر کی نماز پڑھ کے بھی آدھے گھنٹے سے زیادہ آرام کی اجازت نہ تھی، اماں کو جو پسند نہیں تھا۔ دوبارہ کسی نہ کسی کام سے لگا دیتیں۔ وہی سینا پرونا۔ مطالعے کا بہت شوق تھا تو اسی دوران میں کسی نہ کسی کتاب کا مطالعہ مراقبہ بھی جاری رہتا۔"

اماں بولے جارہی تھیں اور مریم کی آنکھوں کی پتلیاں پھیلتی جارہی تھیں۔

"پھر شام کی چائے اور رات کے کھانے کی تیاری شروع ہوجاتی۔ شام کے وقت کچھ تھوڑی بہت مدد تمھاری چھوٹی خالہ کر دیتی تھیں۔ مہمان بھی بہت آیا کرتے تھے۔ وہ بھی بڑی بیٹی ہونے کی ناتے سب میں ہی دیکھتی۔ امی تو گویا مطبخ کا رستہ ہی بھول گئی تھیں۔ گھر بھر کے کپڑے دھونا بھی میری ذمے داری، اُس کے علاوہ بھی نہ جانے کتنے چھوٹے موٹے کام اور ذمے داریاں تھیں۔"

اماں نے رک کر ایک گہرا سانس بھرا۔

''پھر میری شادی ہو گئی۔ مجھے لگا اب زندگی آسان ہو جائے گی، مگر کہاں! وہی دور کے ڈھول سہانے۔''

''ہائے اللہ! اماں جانی میں بھی یہی سوچتی ہوں۔ شادی کے بعد بہت کام کرنے پڑتے ہیں ناں۔ ! ذمے داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔''

''ہاں بیٹے اسی لیے تو کہتی ہوں کہ گھر کے کام کاج کی عادت ہونی چاہیے تاکہ جب کل ذمے داریاں سر پر پڑیں تو بھاری نہ لگیں۔ جن بچیوں کو شروع سے گھر کے کام کاج کرنے کی عادت ہوتی ہے، انھیں سسرال میں بھی زیادہ مشکل پیش نہیں آتی۔ ورنہ ایک تو نئی جگہ اور دوسرا اناڑی پن لڑکیوں کو بہت آزمائش میں ڈال دیتا ہے، زندگی بوجھ لگنے لگتی ہے۔''

''ہمم...... ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ اماں! لیکن یہ تو بتایئے شادی کے بعد کیا ہوا؟''

''شادی کے دو ہفتے بعد جب گھر کے کام کاج کو ہاتھ لگایا تو پتا چلا یہ میدان تو پچھلے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ یعنی کہ کڑی آزمائش!''

''کیوں اماں...... وہ کیسے؟؟''

''پہلی بات تو یہ کہ گھر کی چوتھی منزل پر یہ پورشن نیا بنا تھا، اس میں باقاعدہ کوئی باورچی خانہ نہیں تھا۔ بس ایک چھوٹی سی جگہ تھی جس میں ایک طرف نل لگا ہوا تھا اور ساتھ ہی بس ایک چولھا دھرا تھا۔ بیٹھنے کے لیے بہت ہی کم جگہ بچتی کہ بار بار کپڑے چولہے کی آگ سے بچانے پڑتے۔ ناشتا ایسے بنتا کہ پہلے ایک بندے کے لیے پراٹھا بناؤ، پھر توا چولہے سے ہٹا کے رکھو، جس کے رکھنے کی جگہ بھی بہت مشکل سے بنتی تھی۔ پھر فرائنگ پین میں انڈا فرائی کرو، پھر اُس کے رکھنے کی بھی جگہ بناؤ اور چولھے پر اب صرف ایک کپ چائے بناؤ۔ اب ایک بندے کا ناشتہ مکمل ہوا، اب فوراً دوسرے کے لیے بھی اسی طرح بناؤ، پھر تیسرا، چوتھا۔ سب کے لیے اسی طرح۔ کل سات افراد تھے گھر میں۔''

''اماں جان! ساری چائے ایک ہی بار بنا کے تھرماس میں کیوں نہیں ڈال لیا کرتی تھیں؟''

''وہ اس لیے بیٹا جی! کیوں کہ گھر والوں کو تھرماس کی چائے پسند نہیں تھی۔ پراٹھے بھی لگاتار ایک ساتھ نہیں بن سکتے تھے کہ وہ بھی ہر ایک کو بالکل تازہ چاہیے تھے، سو بس جو پراٹھا تیار ہوتا تو اُسی کے ساتھ ہی انڈا اور چائے بھی تیار کرنا ہوتا۔ مسئلہ ناشتا بنانے میں نہیں بلکہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے تھا کہ چیزیں رکھنے کی جگہ کوئی نہیں ہوتی تھی۔ چولھا بھی ایک تھا، دو ہوتے تو بھی کچھ آسانی ہو جاتی، خیر پھر جب سب لوگ ناشتے سے فارغ ہوتے تو اسی جگہ برتن دھلتے، اُسی جگہ کپڑے دھلتے اور وہیں کھانا بنتا۔ جب ایک کے بعد ایک بچے کی آمد ہوئی تو اسی جگہ انھیں بھی نہلاتی۔

ایک وقت میں ایک ہی کام ہو سکتا تھا، دوسرا کام رکا رہتا۔ بعض اوقات چولھے پر ہانڈی چڑھی ہوتی تو بچے نہلانے کے لیے بیٹھی رہ جاتی۔ اگر تمھاری پھپھو باورچی خانے میں برتن دھو رہی ہوتیں تو میں کھانا نہیں بنا سکتی تھی، کیوں کہ جگہ بہت تنگ تھی۔ حتیٰ کہ وضو کرنے کی جگہ بھی وہی تھی۔

''تو وضو اور کپڑے دھونے کا کام غسل خانے میں کیوں نہیں ہوتا تھا اماں۔؟''

''کیوں کہ غسل خانہ تھا ہی نہیں بیٹا جی! وہ ہم نچلے پورشن میں جا کے تمھاری تائی اماں کا استعمال کرتے تھے......!'' اماں نے انکشاف کیا۔

''شادی کے بعد سات آٹھ سال تک یوں ہی گزارا کیا، پھر اُس کے بعد ہمارے پورشن میں باورچی خانہ اور غسل خانہ بنا تھا، تب زندگی میں کچھ سکون ہوا۔ ہم لوگ تو آج کل نعمتوں کے اتنے عادی ہو گئے ہیں بیٹا کہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ گھر میں باورچی خانے اور غسل خانے کا ہونا بھی کتنی بڑی نعمت ہیں۔ پتا ہے جب ہمارا باورچی خانہ بن گیا تو میں کتنی خوش تھی۔ ہر بار باورچی خانے میں داخل ہوتے وقت اتنے دل سے اللہ کا شکر ادا ہوتا کہ کیا بتاؤں، بلکہ ابھی تک الحمدللہ میری یہی عادت ہے۔ ہر ہر نعمت کے لیے اللہ کا شکر ادا کرنا۔ نعمتیں جب زندگی میں نہ رہیں تو تب احساس ہوتا ہے بیٹی کہ کیا کیا ہاتھ سے چلا گیا، جس کا احساس ہی نہیں تھا۔ نعمتوں کے دوام کی دعا مانگا کرو رب سے۔ اللہ کریم نعمتوں کے زوال سے بچائے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِکَ وَتَحَوُّلِ عَافِیَتِکَ وَ فُجَائَۃِ نِقْمَتِکَ وَجَمِیْعِ سَخَطِکَ.

''اے اللہ! بے شک میں تیری عطا کردہ نعمتوں کے زوال سے، تیری عطا کردہ عافیت کے بدل جانے سے، تیری سزا کے اچانک وارد ہو جانے سے اور تیری ہر قسم کی ناراضی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' (مسلم)

یاد ہے ناں یہ دعا......؟'' انھوں نے دعا پڑھتے ہوئے مریم کی طرف دیکھا۔

''جی اماں یاد ہے اچھی طرح، روزانہ کی دعاؤں میں شامل ہے میری، لیکن اماں! ایک بات تو بتایئے......''

''جی بیٹا۔؟'' اماں نے میتھی کے پتے توڑتے ہوئے کہا۔

''اماں! اتنی تنگی میں آپ کو کبھی غصہ نہیں آتا تھا، جھنجلاہٹ نہیں ہوتی تھی؟''

''مریم! باتیں منہ سے ہوتی ہیں اور کان سے سنی جاتی ہیں۔ یہ ہاتھ کیوں فارغ دھرے ہیں گود میں۔ چلو میتھی کے پتے توڑو......!''

''توڑتی ہوں اماں! لیکن میری بات کا جواب تو دیں ناں۔''

''اگر اماں نے میری ایسی سخت تربیت نہ کی ہوتی تو یقیناً بہت مشکل ہوجاتی، مگر کچھ اُن کی تربیت کا اثر اور کچھ اُن کی گزری زندگی کے قصے تھے، جو ہمیشہ مشعل راہ بنے رہے۔ ان کی زندگی کے قصے تو اتنے محیر العقول ہیں کہ جیسے تم حیرت سے میری باتیں سن رہی ہو، ہم اس سے زیادہ حیرت سے ان کی باتیں سنا کرتے تھے، کیسی سخت زندگی گزاری تھی انھوں نے، اسی لیے انھوں نے ہمیں بھی سخت جان بنایا۔

ویسے کبھی کبھی بشری کمزوری حاوی ہوجاتی تو جھنجلاہٹ بھی ہوتی تھی بیٹا! لیکن اسے ظاہر نہیں کرتی تھی، مبادا گھر والے سمجھیں کہ کام کرنے کی وجہ سے نخرہ کر رہی ہوں، ہاں تمھارے بابا سے ضرور بار بار فرمائش کرتی تھی کہ باورچی خانہ اور غسل خانہ بنا دیں تاکہ ان پریشانیوں سے نجات ملے، مگر وہ اُس وقت کچھ سنتے ہی نہ تھے۔ میری ہر تدبیر ناکام ہوجاتی تھی، خیر اصل بات اللہ کے ارادے کی ہے، جب میرے اللہ نے چاہا تو ساری دعائیں بھی قبول ہوگئیں اور تدبیریں بھی کامیاب۔ کچھ چیزیں ٹھیک ہونے میں وقت لیتی ہیں بیٹا! انسان کو صبر کے ساتھ اچھے وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔''

اماں نے مریم کو دیکھا جس کے ہاتھ ایک بار پھر رک گئے تھے۔

''اور ہاں...... یہ مائیں جو اپنی گزری زندگی کے قصے کہانیاں سناتی ہیں ناں! اُن سے کچھ سبق سیکھا کرو، جیسے ہم اپنی اماں جان کے قصوں سے سبق لیا کرتے تھے۔ یہ مت سوچا کرو کہ وہ گزرے زمانے کی باتیں ہوگئیں، اب نئے دور کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ بیٹا جی! والدین کی جائز اطاعت و فرماں برداری ہر دور میں لازم ہی رہے گی اور گھر کی ذمے داریاں بھی ہر دور میں خواتین کو ہی نبھانا ہوں گی۔ بھلا گھر میں رہتے، گھر کے کام نہیں کریں گی تو اور کریں گی کیا...... بتاؤ؟''

''جی اماں! آپ کہاں کچھ غلط کہتی ہیں۔ بس اگر میتھی نہ پکایا کریں تو آپ بہت اچھی ہیں۔''

مریم نے شرارت سے کہا اور باورچی خانے کا رخ کیا۔

اماں زیرِ لب مسکرا کر رہ گئیں۔

ہاں بھئی کہانی کے خوشگوار خاتمے کی طرح گھر کی زندگی پرسکون اور پر مسرت بنانے کے لیے مسکرانا بھی تو ضروری ہے۔ سو خوب مسکرایئے، پریشانیاں اپنے وقت پر ہی ختم ہوں گی۔ کل کی متوقع فکروں میں اپنا آج خراب نہ کیجیے۔ بس دعا اور تدبیر سے کام لیتے رہیے۔

☆☆☆

نیا جہاں

2

عشرت جہاں

ایئر ماریشس کا کھلونا جہاز یا ایئر بس دیکھ کر ہم تشویش میں مبتلا ہوگئے۔

''یہ ہمارا اور ہمارے سامان کا وزن اٹھالے گا......؟''

یہی سوچتے ہوئے ہم اپنی سیٹوں پر جا بیٹھے۔ خوش مزاج عملے نے ہمارا استقبال کیا۔ مقررہ وقت پر جہاز نے اڑان بھری۔ شفاف نیلا آسمان نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ ہمارے ہاں کا آسمان تو ایسا گدلا لگتا ہے جیسے کوئی کپڑا دُھل دُھل کر پرانا ہوچکا ہو، جب کہ یہ آسمان نئے کپڑے کی تاب جیسا تھا۔

دو ڈھائی گھنٹے بعد ہم مڈغاسکر کی سرزمین پر تھے۔ ایئرپورٹ پر اِکا دُکا جہاز نظر آئے۔ ملک میں غربت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ اگرچہ قدرتی نظاروں سے مالا مال تھا۔ ماریشس اور مڈغاسکر کی خوب صورتی دیکھ کر اندازہ ہوا کہ یہ لوگ فطرت کی قدر کرتے ہیں۔ فطرت کو چھیڑے بغیر ترقی کا سفر جاری رکھتے ہیں۔

چیکنگ کے مرحلے سے گزرتے ہوئے ہم دلچسپی سے ماحول کا جائزہ لے رہے تھے۔ سیاہ فام عملہ انگریزی کے اِکا دُکا الفاظ سے ہماری رہنمائی کر رہا تھا۔ ایک خاتون افسر نے خوش دلی سے ہمارا استقبال کیا۔ نیلی وردی کے ساتھ دو پٹی چپل دیکھ کر ہم حیران رہ گئے۔ دو تین بچے بھی اُن کے دائیں بائیں تھے اور مسلسل اُن کے کام میں مخل ہو رہے تھے۔ شاید ایئرپورٹ پر ہی اُن کے نانا ابا کا گھر تھا جو یوں بے فکری سے اڈاریاں بھرتے پھر رہے تھے۔ ایئرپورٹ عملے کے ایک کلرک نے اچانک انگلی سے کچھ اشارہ کیا۔

مرد حضرات ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ اب وہ صاحب کچھ کہہ بھی رہے تھے۔

''انتر انتر......''

''یہ کیا جنتر منتر ہے؟'' ہم حیرت سے سوچنے لگے۔

امیر صاحب نے سب سے پہلے بوجھا:

''عطر۔''

''اچھا تو یہ پرفوم کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ شاید وہ ہمیں عرب کے شیخ سمجھے تھے۔''

خیر ڈھیروں سامان سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر انھیں عطر کی شیشی عنایت کی اور لیڈی کلرک کی نذر نمکو کا پیکٹ کیا۔ جسے پا کر اُن کی باچھیں کھل گئیں۔

دار الحکومت:

نام: انتاناناری، مختصراً ''تانا'' یا پھر ''تنا''۔ تانا کا مطلب ''ہزاروں کا شہر'' بتایا گیا۔ یہاں ہمارا قیام صرف دو دن کا تھا۔ اس کے بعد ہماری

تشکیل میدانی علاقوں کی طرف تھی۔ موسم مناسب ٹھنڈا تھا، لیکن مقامی افراد کے مطابق شدید سردی تھی۔ کہر جیسی دھند ادا سی میں لپٹی ہوئی تھی۔ جو گھر ہمارا پہلا مسکن بنا، وہ لکڑی کا بنا تھا۔ بوسیدہ اور سیلن زدہ سا۔ تنگ چوبی سیڑھیوں پر ملازم بچیاں تیزی سے چڑھ اتر رہی تھیں۔ گھر والی کا تعلق جنوبی افریقہ سے تھا جو اس پس ماندہ علاقے میں رہنے پر کافی ناخوش سی تھیں۔ جب کہ اُن کے شوہر حافظ، دین کے خدمت گار اور ایک مدرسہ چلا رہے ہیں، اس لیے وہ اس علاقے سے جانے پر تیار نہیں۔ مدرسہ رہائشی ہے۔ جہاں مختلف علاقوں سے آئے ہوئے مسلم اور نو مسلم بچے دین کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ شام میں ہلکی بارش شروع ہوگئی، جس کی وجہ سے موسم مزے کا ٹھنڈا ہوگیا۔

پہلا دن پہلی خدمت:

سوئے اتفاق پہلی خدمت ہماری اور غزالہ بہن کی لگی۔ مرد حضرات پولیس اسٹیشن انٹری کے لیے چلے گئے۔ خادم حضرات پیچھے رہ گئے۔ عصر کے بعد ہم نے دیکھا کہ ہمارے میاں دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں تین عدد ننھے منے ٹماٹر اور چار پانچ پیاز کی گولیاں لیے چلے آرہے ہیں۔

یہ سبزی دیکھ کر ہماری تو آنکھوں کی پتلیاں پھیل گئیں۔

''بس یہ سبزی ملی ہے؟...... اتنے سی پیاز میں دس پندرہ افراد کا کھانا کیسے بنے گا؟''

ہم نے گھبرا کر سوال کیا۔

''یہ تین ٹماٹر بھی تین سو کے ہیں۔'' وہ ہنس کر بولے۔

یہ سن کر تو ہم اُن ہی چوبی سیڑھیوں پر سر پکڑے بیٹھ گئے۔ جی ہاں آنکھیں موند لیں کہ شاید پاکستان میں کھلے۔ اِس قدر مہنگائی؟

بعد میں پتا چلا کہ اُن کا 5 ہزار پاکستانی ڈھائی ہزار نہیں بلکہ ڈھائی سو کے برابر ہے۔ پانچ ہزار اور ڈھائی سو کا حساب کتاب اس لیے یاد ہے کہ عید پر شاہین باجی نے ہم سب کو کمال سخاوت کرتے ہوئے 5-5 ہزار عیدی دی تھی۔ مہنگائی کا اندازہ اس بات سے لگا لیجیے کہ دھنیے کی گڈی جیسی ہمارے ہاں اچھی خاصی گھنیری ہوتی ہے اور پانچ دس روپے کی عام مل جاتی ہے، وہاں گنتی کی دس بارہ ڈنڈیاں 500 روپے یعنی پاکستانی 30-35 روپے کی ملا کرتی۔ خیر سے دال چاول بنائے گئے۔ چاول مقامی تھے۔ بہت غلطی ہوئی کہ اپنے ملک کے چاول نہ لے کر گئے۔ غزالہ نے دال پکالی۔ چاول ہمارے حصے میں آئے۔ ہم نے مناسب پانی ڈال کر رکھ دیا۔ ذرا دیر بعد پانی خشک۔ گھبرا کر پھر پانی ڈالا۔ پھر دیکھا تو پانی خشک اور چاول کا کچھ نہ بگڑا تھا۔ غور سے دیکھا کہ کہیں پتیلے میں سوراخ تو نہیں۔ پھر تمام خواتین نے مل جل کر ٹوٹکے آزمائے مگر چاول تو بگڑے بیٹھے تھے۔ اُس دن کا کھانا خراب ہی رہا۔ سخت کچے پکے بدمزہ چاول۔ بعد میں مقامی لوگوں کو دیکھا کہ وہ سارا دن انھیں ابالتے رہتے تھے تب جا کر کھانے کے قابل ہوتے تھے۔ کوئلوں کی آنچ پر پک پک کر ابلتے، پھر مزید پانی ڈال کر ابالتے، یہاں تک کہ کھیر نما ملغوبہ سا بن جاتا۔ اگلے دن کھر چن کے ساتھ بھی یہی پریکٹس کرتے اور مزے سے کھاتے۔ اس قدر سادہ منش لوگ تھے وہ اور ایک ہم ہیں کہ ہمیں تو اچار کی کمی بھی محسوس ہو رہی تھی۔

اگلی منزل:

اس سے اگلے دن میدانی علاقے کے شہر مہاجونگا کی طرف روانگی تھی۔ مہاجونگا کا مطلب شفا کا شہر ہے۔ کراچی کی طرح یہ سمندری علاقہ ہے۔ موسم معتدل تھا۔ نکلتے ہوئے ہلکی پھوار پڑنے لگی، جس کی وجہ سے موسم کچھ ٹھنڈا ہوگیا، لیکن یہ ٹھنڈ صرف ''تانا'' تک محدود تھی۔ آگے نرم گرم موسم ہمارا منتظر تھا۔ اِس وقت صبح کے سات بجے تھے۔ مین روڈ صاف ستھرا تھا۔ سفر دس گیارہ گھنٹے کا تھا۔ درمیان میں نماز اور کھانے کے لیے بھی رکنا تھا۔ مین روڈ دو طرفہ تھا۔ سڑکیں کھڈوں اور کھدائی کے بغیر ہموار تھیں۔ پہاڑوں کے درمیان میں سے دور تک جاتی سڑک رواں تھی۔ نہ کوئی جھٹکا تھا نہ دھچکا۔ ہم رشک اور پھر حسد کرتے رہے، لیکن جب بستیوں اور رہائشی علاقوں کی سڑکوں پر سفر کیا تو ایک ہوئے محمود و ایاز۔ کراچی کی سڑکوں کی طرح ٹوٹی پھوٹی تھیں، بلکہ شاید اندرون علاقوں کی سڑکیں بنی ہی نہ تھیں بس گڑھے ہی تھے۔ سیوریج کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ برتنوں اور کپڑوں کی دھلائی کا پانی گلیوں میں ہی جذب ہوتا رہتا ہے۔

الٹی ہوگئی سیدھی:

دو گھنٹے کا سفر تو خیریت سے گزرا۔ گاڑی تیزی سے سوئے منزل رواں تھی۔ ڈرائیور اور کنڈکٹر کے علاوہ سب مسافروں کو نیند کے جھٹکے لگنے لگے۔ ہماری طبیعت بوجھل ہونے لگی۔ خود کو بہت سنبھالنا چاہا مگر اچانک آق آق......اور پھر قے۔

ہم ٹھہرے کراچی کی کھلی ڈھلی، ٹوٹی کھڑکیوں اور اکھڑے دروازوں والی بسوں کے عادی، جب کہ یہ گاڑی مکمل پیک تھی۔ دروازے شیشے بند، ہمارا تو کالج پوائنٹ بھی کھڑ کھڑاتا، لڑ کھڑاتا، روشن ہوادار ٹین کا ڈبہ ہوا کرتا تھا، جس میں ٹھنسی ہوئی لاتعداد طالبات کے باوجود کبھی ہماری طبیعت خراب نہ ہوئی تھی، لیکن آج تو یہ لگژری قسم کی گاڑی پچھلا حساب بے باق کرنے پر تلی تھی۔ دماغ درد سے پھٹنے لگا تھا۔ جب طبیعت کسی طرح سنبھلنے پر نہ آئی تو امیر صاحب نے گاڑی روکنے کا حکم دیا اور کس قدر حسین اتفاق تھا کہ ایک قدرتی چشمہ اپنی جولانیوں سمیت دائیں جانب رواں دواں تھا۔ امیر صاحب مقامی لوگوں کو دعوت دینے لگے اور مستورات ٹھنڈے میٹھے قدرتی چشمے سے فیض یاب ہونے لگیں۔ یارب! یہ تیری قدرت، تیرے جلوے۔ یہ دل و دماغ، آنکھیں جسم کارواں رواں تیرے بنائے نظاروں کا حق ادا نہیں کرسکتا۔

ہر جا تیری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

راستہ ڈھلوان تھا، لیکن اللہ رب العزت بندوں کی ضروریات ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ اللہ کی ذات مربی ذات ہے، تربیت کرنے والی ذات ہے۔ ماحول کے مطابق انسان کو ڈھالا اور اِس ماحول میں رہتے بستے کے عوامل بھی عطا فرمائے۔ ڈھلوانی راستے کے دونوں جانب لمبی لمبی سنہری جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ اُس وقت ان کا بہترین مصرف یہی سمجھ میں آیا کہ انہیں تھام کر نیچے اترا جائے۔

آدھ گھنٹے بعد واپسی کا اشارہ ہوا۔ یہ آدھ گھنٹہ آدھے منٹ کی طرح گزر گیا تھا۔

(جاری ہے)

رُوحانی رِشتہ

اُمِ حنین (بولٹن) یُوکے

آج کل
یونہی لکھنے
لکھانے کا جوش
چڑھا ہوا ہے۔الفاظ دل ودماغ میں
اودھم مچائے ہوئے ہیں، حالاں کہ بچوں
کے اسکول کی چھٹیاں ابھی باقی ہیں۔بس دس روز رہ گئے ہیں
اسکول کھلنے میں،مگر ہم راتوں کو جاگ جاگ کر صفحے کالے کرنے میں مشغول ہیں۔

آج اِس تحریر کی تحریک یوں ہوئی کہ ہم رات کا کھانا کھلانے اور باورچی خانہ سمیٹنے کے بعد صوفے میں دھنسے،فون پکڑے انٹرنیٹ پر ''خواتین کا اسلام'' کے شمارے پڑھ رہے تھے کہ ام محمد واثلہ کی تحریر ''ساجدہ غلام محمد سے ملاقات'' نظر سے گزری،بس جی مابدولت نے اِس موقع کو غنیمت جانا اور کاغذ قلم لے کر کئی برسوں سے ذہن میں موجود اِس تحریر کو الفاظ کی شکل میں ڈھالنے بیٹھ گئے۔

ساجدہ بہن کی تحریروں سے ہمارا ایک روحانی سا رشتہ ہے یوں کہ ہم جب اُن کی اکثر تحریروں کو پڑھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے ۔

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

سب سے پہلے تو ناول ''یہ زندگی اک تشنگی'' سے ہماری مناسبت کچھ یوں ہوئی کہ جن دنوں یہ ناول شائع رہا تھا، ہم پاکستان میں ہی تھے اور ذوق وشوق سے قسط وار اسے پڑھ رہے تھے۔اسی دوران میں ہمارا ویزہ (ڈھائی سال کی دعاؤں) کے بعد آ گیا اور ہمارے شوہر نامدار ہمیں لینے پہنچ گئے۔بدھ کے دن شام کے وقت جب ہم میگزین الٹ پلٹ رہے تھے،حسرت سے ہمارے منہ سے نکلا کہ اب میں بقیہ کہانی کیسے پڑھوں گی؟

اِن دنوں ہم پر پیا گھر سدھارنے کی خوشی اور میکے ومیگزین کو چھوڑنے کی غمگین سی کچھ ملی جلی کیفیت طاری تھی۔میاں صاحب نے سنا تو جل کر کہنے لگے:

''تو رک جاؤ ابھی، میں چلا جاتا ہوں،تم کہانیاں پڑھ کر آ جانا۔''

انھوں نے کچھ اس طرح کہا کہ ہماری بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔امی بھی ہنسنے لگیں۔کہنے لگیں،وہاں جا کر ڈھونڈ لینا،ہو سکتا ہے مل جائے۔

برطانیہ آنے کے دو تین ہفتے بعد کی بات ہے۔ایک دن جب فون پر امی سے بات ہو رہی تھی تو اچانک انھیں کچھ یاد آیا۔بتانے لگیں کہ ارے وہ ثانیہ بھی تو مانچسٹر آ گئی ہے تمھارے ساتھ ہی۔

''اچھا!'' ہمیں سن کر بڑی خوشگوار حیرت ہوئی، گویا دیارِ غیر میں پہلی سہیلی ملی ہو، پھر ایک خیال کے تحت نیٹ پر چیک کیا تو صد شکر کہ ''خواتین کا اسلام'' وہاں دستیاب تھا،سو باقی کی اقساط ہم نے مزید لطف اندوز ہو کر پڑھیں۔

ناول کے بعد دوسری وجہ مناسبت ساجدہ سے دیسی آم سے لگاؤ ہے۔

دو سال بعد کی بات ہے کہ ہمارے سسر مرحوم (اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس عطا فرمائے) نے میاں جی کو فون کر کے کہا کہ انھوں نے کسی کے ذریعے آموں کی ڈیلیوری بھجوائی ہے۔مانچسٹر جا کر وصول کر لیں۔میاں صاحب لے کر آئے تو پتا چلا کہ پچاس ڈبے ہیں۔ایک ڈبہ ڈیڑھ کلو کا ہوتا ہے اور اس میں چار، پانچ یا چھے آم سائز اور وزن کے حساب سے ہوتے ہیں یعنی کہ تقریباً پچھتر کلو آم تھے۔پہلے تو یہ دیکھ کر ہماری طبیعت باغ باغ ہو گئی۔کیوں کہ دو سال سے پاکستانی آم نصیب نہ ہوا تھا۔یہاں ہمارے ٹاؤن میں عموماً انڈین الفانسو، مصری اور میکسکن آم دستیاب تھے اور آموں کے بارے میں ہم خاصے متعصب واقع ہوئے ہیں کہ پاکستانی آم کی بات ہی کچھ اور ہے۔یوں بھی یہاں آم خاصا مہنگا پھل ہے،خواہ کسی قسم کا بھی ہو۔خیر جناب اتنا آم اکیلے کھانا تو ممکن نہ تھا،تقریباً آدھے ڈبے تو ہم نے زبردستی بانٹ دیے۔زبردستی اس لیے کہ زیادہ تر ملنے جلنے والے آس پڑوس میں انڈین گجراتی تھے اور وہ بھی آموں کے بارے میں ہماری طرح متعصب یعنی کہ الفانسو کے شیدائی۔خیر ہم نے بھر بھر کر آم دیے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ میاں جی کے ایک دوست کے گھر سے ایک سوئٹ ڈش آئی۔بدلے میں ہم نے اسی باؤل میں آم بھر کر دے دیے (بھئی آم سے زیادہ کوئی قیمتی چیز ہے بھلا) کافی عرصہ بعد معلوم ہوا کہ اُن لوگوں کو تو آم پسند ہی نہیں۔(لو جی! یہ بھی کوئی بات ہوئی)

خیر باقی کے آدھے ڈبے ہماری حریص طبیعت نے رکھ لیے۔فریج چوں کہ ہمارا چھوٹا تھا اور کھانے کا باقی سامان بھی فریج میں رکھنا ہوتا تھا تو ہم نے روزانہ کی بنیاد پر آم کھلانا شروع کر دیا۔

یہ سارے ڈبے کمرے میں رکھے تھے۔ہم نے اُن میں سے چن چن کر زیادہ پکے آم فریج میں رکھ دیے۔دو چار دن تو خوب آم کھائے، چوپے، مزے کیے،اُس کے بعد اصل گیم شروع ہوا۔کیوں کہ اب شروع ہو چکا تھا رمضان المبارک اور مہینہ تھا جولائی کا، یعنی کہ تقریباً ساڑھے اٹھارہ سے انیس گھنٹے کا روزہ۔افطار، نمازِ مغرب، عشا، تراویح،سونے اور سحری کے لیے صرف پانچ گھنٹے۔اب آم کھائیں تو کب کھائیں۔

اتنی افراتفری میں دو چار دن تو ہم نے آموں کو مختلف طریقوں سے افطاری میں پیش کیا۔پانچویں دن میاں صاحب نے بھنا کر منع کر دیا کہ اُن کے سامنے آم نہ لائے جائیں۔یوں بھی وہ ہماری طرح آموں کے دیوانے واقع نہیں ہوئے۔خیر دیوانگی تو ہماری بھی اب تک ساری اُڑن چھو ہو چکی تھی، کیوں کہ اب تیزی سے پکتے آموں کو دیکھ کر ہمیں فکر لاحق ہو چکی تھی۔

فریج بھرتا جا رہا تھا۔ڈبے خالی ہو رہے تھے اور کھانے والے ندارد۔

بچوں کو کھلانے کی کوشش کی، مگر ڈھائی سالہ حسن اور چھے ماہ کا حسین (ہمارے اصلی بچے) بھلا کتنا آم کھا سکتے تھے۔اتفاق دیکھیے کہ دو چار دن بعد بچوں کا پیٹ خراب ہو گیا تو میاں صاحب نے سارا غصہ ہم پر نکالا کہ تم نے آم کھلا کھلا کر خراب کیا ہے۔خبردار جو اَب بچوں کو کھلایا۔لو جی! کر لو گل، حالاں کہ وہ جو پیٹ خراب ہوا تھا وہ وائرل تھا۔آم نہ کھانے والے بچوں کو بھی ہوا تھا،مگر ظاہر ہے اب احتیاطاً تو

کرنی تھی۔ اب ہم اکیلے تھے اور سامنے آموں کی فوج، مگر اُس سے نمٹنے کے لیے محترم اثر جون پوری صاحب کا حوصلہ چاہیے تھا جو ہم میں نہ تھا۔

ہم نے مزید اِدھر اُدھر آم دینے دلانے کی کوشش کی، مگر اب آم دینے دلانے لائق بھی نہ رہے تھے، پھر دیتے بھی تو کس کو۔ چناں چہ اب ہم نے ترکیبیں آزمانی شروع کیں۔ امی نے مشورہ دیا۔ ''ماذا'' جوس بنالو، ترکیب بھی بتائی، ہم نے جوس بنا تو لیا مگر پیے کون؟ میاں صاحب نے فرمایا بہت ہیوی ہے، خود پی لو۔ اتنے لمبے روزے کے بعد چند گھنٹوں میں زیادہ کچھ کھایا پیا بھی نہیں جاتا اور رمضان المبارک کے بعد ہمارا پاکستان جانے کا پروگرام تھا۔

قصہ مختصر آم کاٹ کاٹ کر ہم نے ائر ٹائٹ ڈبوں میں فریز کیا اور پاکستان روانہ ہو گئے۔

ہمیں یاد پڑتا ہے کہ غالباً اگست کا مہینہ تھا یا شاید ستمبر۔ ہم امی کے گھر ٹیرس پر کھڑے میگزین کی ورق گردانی کر رہے تھے کہ آخری صفحے میں ساجدہ بہن کی تحریر ''پردیسی ہم پر، دیسی آم'' شائع ہوئی تھی۔ ہم پڑھتے جاتے تھے اور ہنستے جاتے تھے اور ہماری نظروں میں مانچسٹر سے کچھ فاصلے پر اپنے گھر کے فریزر میں موجود آموں کے ڈبے گھوم رہے تھے۔

سوری ساجدہ بہن! ہمیں معلوم ہوتا تو آپ کو ضرور بھجواتے۔ دونوں بہنیں مل کر آم کھاتے۔ صد افسوس کہ آموں کے ''پی کے'' ''ٹو'' ''یو کے'' کا یہ سفر پہلی اور آخری بار ہی ہوا تھا کیوں کہ ہمارے سسر صاحب اب مرحوم ہو چکے، سو اب اِس دیار میں دوبارہ ایسی دعوتِ شیراز کی کوئی امید نہیں۔

پاکستان سے واپس جا کر ہم نے باقی کا فریز شدہ آم کسی نہ کسی طرح استعمال کر ہی لیا، کچھ ضائع بھی ہوا۔

ہمیں اندازہ ہے کہ ہماری سگھڑ بہنوں کو ہم پر بہت غصہ آ رہا ہوگا۔ یقیناً بہت کچھ کیا جا سکتا تھا، مگر ہماری ''ناتجربہ کاری'' کی وجہ سے نہ ہو سکا۔ امی نے مشورے دیے مگر ہم ان سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ہم دو چھوٹے چھوٹے بیمار بچوں کو دیکھتے یا آموں کو۔ آم کی اس ناقدری کی ہمیں یوں سزا ملی کہ اگلے دو سال تک پھر آم نصیب نہ ہوا اور ہم استغفار کرتے رہے۔ ہمارے اصرار پر میاں جی نے دو چار اسٹوروں پر جھانکا، ایک آدھ مرتبہ مانچسٹر میں بھی دیکھ لیا اور بیان جاری فرمایا کہ کہیں نہیں ملا کیوں کہ پاکستانی آم کی امپورٹ پر آج کل، یہاں پابندی ہے۔ دروغ برگردن میاں جی، مگر ہمارے پاس یقین کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ ہماری مشکوک نظریں انھوں نے نظر انداز کر دی تھیں۔

اب تو خیر سے بچے بھی شوق سے کھاتے ہیں، مگر آم خصوصاً دیسی آم بہت مہنگا ہے۔ آج کل کورونا کی وجہ سے تو مزید مہنگا ہو چکا ہے۔ پچھلے ہفتے میاں صاحب چار آم لے کر آئے تھے دس پاؤنڈ کے (تقریباً دو ہزار) کے، وہ بھی اتفاقاً سستے مل گئے تھے۔ ایسے وقت میں قدر آتی ہے اپنے ملک کی۔

خیر آم کہانی کافی لمبی ہو چکی، واپس آتے ہیں موضوع کی طرف، تو جناب! تیسری وجہ مناسبت وہ تمام تحریریں ہیں، جن میں ساجدہ بہن نے یہاں کا حال احوال بیان کیا ہے۔

اب چاہے وہ لکڑی کے فرش اور دیواروں والے چھوٹے چھوٹے گھر ہوں، جن میں ایک کمرے میں سانس لو تو دوسرے کمرے میں باآسانی آواز سنی جا سکے یا اوپری منزل میں چلنے پھرنے کی آواز نیچے بیٹھ کر آرام سے سنی جا سکے، خواہ سڑک پر کھلتی بڑی بڑی کھڑکیاں جن سے ہر دم کسی اجنبی کے آ جانے کا دھڑکا ہو۔ سپر اسٹورز، سڑکوں اور ٹریفک کا حال احوال ہو یا تنگ واش رومز کا مسئلہ، Wilmslow Road کی رونق کا ذکر ہو یا صفائی، نظم وضبط اور غیر متوقع موسم کا ذکر، سب کے بارے میں پڑھ کر بہت اپنائیت سی محسوس ہوتی اور لطف آتا ہے۔

مانچسٹر Wilmslow Road جا کر تو ہماری نظریں چاروں طرف یوں گھوم رہی ہوتی ہیں، جیسے کہیں سے ایک گول مٹول سی باپردہ خاتون تین عدد بچوں (اب معلوم ہوا کہ فرضی کردار ہیں) کے ساتھ نظر آ جائیں گی اور ہم انھیں دیکھتے ہی پہچان بھی لیں گے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر سامنے بھی کھڑی ہوں تو ہم نہ پہچان پائیں۔

باقی اللہ تعالیٰ لکھنے لکھانے کا سلیقہ کسی کسی کو ہی دیتے ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ! ہم تو بس پڑھنے اور لطف اندوز ہونے کی حد تک رہتے ہیں۔ پہلی بار ہماری کوئی تحریر پایۂ تکمیل تک پہنچی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے پوسٹ کرنے کی بھی توفیق دی اور خوش قسمتی سے تحریر قابلِ اشاعت بھی ٹھہری تو یہ سہرا بھی ساجدہ بہن کے سر بندھے گا اور ایک اور مناسبت پیدا ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ انھیں دونوں جہانوں میں خوش رکھے۔ آمین! ☆☆☆

سالنامہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

⊛ خواتین کا اسلام کی گزشتہ پندرہ سال سے قاری ہوں۔ کافی سال قبل قلم اٹھایا تھا یا آج اٹھایا ہے۔ خیال آتا ہے کہ خواتین کا اسلام کی اتنی زیادہ لکھاری بہنیں ہیں کہ ہمیں شاید موقع ہی نہ ملے۔ باقی تبصرہ کیا کروں، ہر کہانی، ہر مضمون اچھا لگتا ہے۔ تمام لکھنے والوں کی محنت اللہ قبول فرمائے۔ تبصرے کا مقصد لکھنے والوں کو خوشی دینا ہے۔ کسی مسلمان کو خوش کرنا عبادت ہے۔ اللہ آپ سب قارئین قاریات اور معاونین کو ہمیشہ خوش رکھے۔ گاؤں سے شہر ڈاک تک پوسٹ کرانے میں مشقت ہوتی ہے، اس لیے عام طور پر رسالے پر تبصرہ نہیں کر پاتی۔ رسالے لانے کا وقت بھی بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ (اہلیہ محمد امان اللہ فاروقی۔ ڈیرہ غازی خان)

ج: آپ جیسی خاموش قاریات بہنیں بھی اِس رسالے کا سرمایہ ہیں۔ ہر بار تبصرہ کرنا مشکل ہے تو دعا ہی کر دیا کیجیے۔ بہت کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور تمام ہی بہنوں کو دونوں جہاں میں خوش رکھے، آمین!

⊛ شمارہ 908 جونہی ہاتھ میں آیا۔ سب سے پہلے اپنا تبصرہ ڈھونڈنے کے لیے صفحات پلٹنا شروع کیے، مگر اپنے تبصرے کو نہ پا کر ایک دفعہ پھر اداسی کے کالے بادل ہمارے چہرے پر چھا گئے۔ پتا نہیں ہمارا تبصرہ کس حال میں ہوگا؟ انکل جی! سال نامے میں جو تیسری تحریر کے پردے میں حضرت چھپے ہیں، انھیں کہیے کہ اب باہر بھی آ جائیں۔ کیوں کہ اب اور انتظار نہیں ہو رہا۔ پہلے ہم نے بھی سوچا کہ یہ شاہد فاروق بھائی ہوں گے مگر پچھلے شمارے میں ایک خط کے جواب میں آپ نے کہا تھا کہ یہ شاہد بھائی نہیں ہیں۔ اب آپ ہی بتا دیجیے کہ کون ہیں؟ اور باقی رہا شمارہ تو تقریباً سارا شمارہ ہی بہترین تھا اور ایک سوال پوچھنا تھا کہ بینا صدیقی اور نائلہ صدیقی آپی بہنیں ہیں؟ (خنساء زبیر۔ اٹک)

ج: اِس خط کی اشاعت تک آپ نے اپنا تبصرہ دیکھ لیا ہوگا اور شخصیت بھی آپ کے علم میں آ گئی ہوگی۔ بینا صدیقی اور نائلہ صدیقی ہی نہیں، سیما صدیقی اور گل رعنا صدیقی بھی چاروں لکھاری بہنیں، سگی بہنیں ہیں۔

⊛ شمارہ 907 بہت زبردست تھا۔ محترمہ باجی جویریہ کے قلم میں اللہ تعالیٰ برکت دے۔ اُن کی تحریر ''فسانے بنتے گئی زمانے'' ہمارے دل کی آواز تھی۔

(ایک شہید کی بیوہ۔ بہل ضلع بھکر محلہ رفیق آباد)

⊛ شمارہ 904 میں 'ایک خاص محفل' یعنی ایک خاص تحریر پڑھنے کو ملی۔ بہن راؤ فضہ ظفر کا بہت شکریہ کہ انھوں نے یہ تحریر لکھ کر ہماری بھی اُن سب معزز ہستیوں سے غائبانہ ملاقات کروا دی۔ ہمیں بھی اِن سب بہنوں سے غائبانہ مل کر بہت خوشی ہوئی۔ فضہ آپ تو بہت خوش قسمت ہیں جو اتنی عظیم خواتین کو شرف میزبانی بخشا خصوصاً عامرہ باجی کو۔ اللہ پاک آپ کی اِس میزبانی کو قبول کرے۔ شمارہ 905 میں سب سے زیادہ دل پر اثر کرنے والی تحریر 'قرآن کی تاثیر' تھی۔ اللہ نے اُس کا دل پھیر دیا۔ گناہوں سے تائب ہو کر موت آئی۔ وہ تو خوش قسمت تھی جو اتنی اچھی حالت میں موت آئی۔ اللہ پاک اُس کی مغفرت فرمائے، آمین۔ سوچنے کی بات ہے کہ مرحومہ کی سہیلی جو اسے درس میں لے جانے کا ذریعہ بنی، اللہ پاک اسے کتنا نوازیں گے۔ مجھے عامرہ باجی کا درس سننے کا بہت اشتیاق تھا، لیکن مکمل پتا بھی تو نہیں ہے ناں کہ وہ کب اور کہاں درس دیتی ہیں؟ بہرحال عفت مظہر کا بہت شکریہ۔ شمارہ 906 میں 'رائے کو اہمیت دیجیے' ایک اصلاحی تحریر تھی۔ شمارہ 907 میں 'اولاد کی اصلاح کا ایک نرالا انداز' اچھا سبق دیتی یہ تحریر بہت پسند آئی۔ بنت درخواستی کی تحریر بھی بہت اچھی لگی، کیوں کہ ہمیں بھی عائشہ کے بارے میں جاننا تھا۔

(ام احمد سعید۔ پنڈی گھیب ضلع اٹک)

ج: جب انسان نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو راہیں خود بخود کھل جاتی ہیں۔ منزل آسان ہو جاتی ہے۔ جیسے اس لڑکی کی ہوئی۔ آپ کا بھی اشتیاق ایک دن پورا ہو جائے گا۔

⊛ شمارہ 907 کا سرورق بہترین لگا۔ چوں کہ ابھی ابھی ہماری جامعہ سے واپسی ہوئی تھی اور بھوک زوروں پر تھی تو سب سے پہلے آخری صفحہ پڑھا۔ واہ جناب! مزہ آ گیا۔ ویسے ہم یہ ترکیب گھر پر نہیں بنانے والے (کیوں کہ ہم کچھ کچھ محنت سے جی چرانے والے ہیں) اس لیے صرف تصویر پر ہی گزارا کر لیا۔ سالنامے پر تبصرے خود بہت اچھے لگے۔ ایک سے بڑھ کر ایک۔ زوجہ قاسم محمود بٹ کا تبصرہ سر فہرست تھا۔ اُن کا عجز پسند آیا۔ ایک خوشگوار ملاقات کی روداد پڑھ کر بنت درخواستی کی خوش قسمتی پر رشک کرتے رہ گئے۔ کوئی ساجدہ غلام محمد، ناہید جعفر، سلمیٰ یاسمین نجمی اور عامرہ احسان خالہ سے ملاقات کر رہا تو کوئی بنات غضنفر اللہ سے۔ 'بت شکن' پسند آ رہی ہے۔ آئینہ گفتار بہت اچھا لگا۔ پہلے صفحے کے نامعلوم محرر کے لیے یہ دعا ہے کہ اللہ پاک اِن بزرگوں کی طرح اُن کو بھی مقام ولایت نصیب فرمائے، آمین! (بنت سطور۔ وادی چھچھ)

ج: محنت سے جی چرانا تو اچھی بات نہیں ہے۔ آپ گھر پر نہیں تو کہیں باہر بنا لیجیے، ہمارا مطلب ہے کسی خالہ پھوپی کے گھر۔

⊛ شمارہ 908 کا سرورق کچھ خاص نہیں لگا۔ اداریہ ہمیشہ کی طرح فکر انگیز تھا۔ اللہ عمل کی توفیق دے۔ ''بت شکن'' عام سے انداز میں بہت خاص تحریر ہے۔ ''لفظوں کی دنیا'' میں عائشہ اسعد نے کمال کر دیا۔ دانا و بینا صدیقی صاحبہ نے زبردست کہانی لکھی۔ فرح کا کردار عجیب طبیعت کا مالک تھا۔ میں نے اب تک ایسا نفسیاتی کردار نہیں دیکھا۔ 'ہانڈی روٹی' بھی شاندار تحریر تھی۔ حنا سلطان کو ڈھیروں داد۔ اچھا آج یہ تو بتا دیجیے کہ آپ اِن دو ہفت روزوں کے ساتھ ساتھ کن دو ماہناموں کی ادارت اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں؟ ہم نے آپ کی کتاب میں پڑھا تھا۔ ذرا نام تو بتایئے۔ (بنت البحر۔ ٹنڈو آدم)

ج: ایک طبی رسالہ ہے: ''جہان صحت''، اور ایک نسبتاً بہت چھوٹے بچوں کا رسالہ ہے: ''بچوں کا آشیانہ!''

⊛ شمارہ 904 میں دستک نے بہترین انداز میں ہماری اصلاح کی۔ 'وہ کیا گئے' میں دکھی دل کی ترجمانی کرتے شعر دل کو بہت بھائے۔ 'ایک خاص محفل' پڑھ کر شرکا محفل پر رشک آیا۔ 'میرے مجاہد بیٹے کا بچپن' پڑھ کر ایسے بچپن پر رشک آیا۔ بزم خواتین میں بزم بھی خوب رہی۔ اللہ اِس بزم کو یونہی ہنستا بستا رکھے۔ اب آتے ہیں شمارہ 905 کی طرف۔ 'تعریف' میں باجی جان نے ایک اٹل حقیقت کی جانب توجہ کروائی۔ بہت بہترین۔ آئینہ گفتار پڑھ کر دل سے آمین کہا۔ چچا جی! آپ نے بہت بہترین انداز میں سمجھایا۔ 'قرآن کی تاثیر' تو واقعی بیش بہا ہے۔ اُس کی برکات کا تو حساب ہی نہیں۔ محترمہ باجی جان کے لیے ڈھیروں دلی دعائیں۔ 'ماسی مرچی' میں محترمہ ڈاکٹر سارہ الیاس صاحبہ کو خوش آمدید۔ ڈاکٹر بننے پر مبارک باد۔ چمن خیال میں نظم نے ذوق بڑھایا۔ بہت خوب 'نادان' جیسی کہانیوں کی واقعی بہت ضرورت ہے۔ بزم بھی خوب تھی۔ چچا جی ایک بات پوچھنی تھی کہ آپ کی کتاب 'کہانی ایک سفر کی' کے بمع آٹو گراف ملنے کا جو پتا آپ نے عشرت

جہاں باجی جان کو دیا ہے، ہم بھی اُس سے منگوا سکتے ہیں، آٹوگراف کے ساتھ؟
شمارہ 906 میں 'اخلاص' پڑھی۔ واقعی ہمارا تجربہ ہے کہ آدھے دعاؤں کے بھی نمبر ہوتے ہیں۔ بہت بہترین۔ 'پاگل' نے تو آنکھیں کھول دیں۔ 'کورونا کا رونا' پڑھ کر آخر میں خوب ہنسی آئی۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ارشادات پر مغز و پر مفید۔ آخر میں کتب کا اشتہار دیکھ کر مراد بھر آئی اور ہاں چچاجی ہم یہ بات تو بتانا ہی بھول گئے کہ اِس بار آپ سب کی دعاؤں سے اِس سال ہم نمایاں نمبروں سے کامیاب ہوگئے ہیں۔ (شیما انور۔ کراچی)

ج: جی ہاں! اخبار میں دیکھا تھا۔ بہت مبارک ہو، آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو بھی۔ اللہ تعالیٰ دنیا آخرت کے ہر امتحان میں ممتاز نمبروں سے کامیاب فرمائے، آمین!

⊛ شمارہ نمبر 903 پڑھا۔ 'آج کی اکبری اصغری' بہترین تحریر تھی۔ ہمارے معاشرے کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ 'اچھی بہو' دو میٹھے بول سننے کو بھی ترستی ہے، لیکن جو ذرا تیز ہو تو اس کی زبان درازی کی وجہ اس کی عزت کی جاتی ہے۔ اچھے لوگوں کی حوصلہ افزائی نہ ہونے کے برابر ہے۔ باجی ریحانہ تبسم فاضلی عصر حاضر کی ایک باہمت اور مجاہدہ خاتون ہیں۔ اللہ پاک انھیں ہمیشہ عافیت سے رکھے۔ حضرت نائلہ بنت فرافصہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ پڑھ کر ایمان تازہ ہوا۔ کیسی وفا شعار خاتون تھیں۔ 'انا کے مسئلے' بہت اچھی لگی۔ جب دو جہاں کے سردار ﷺ اپنا کام خود کر لیتے تھے تو مرد حضرات کو انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے، بلکہ وہ سنت کی نیت سے کبھی کوئی گھریلو کام خود کرلیں تو سنت کا نور حاصل ہوگا۔ شیما انور بھی ماشاءاللہ اچھا لکھ رہی ہیں۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سالانہ امتحان میں ملکی سطح پر پوزیشن لینے پر شیما بہن کو ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ پاک ان کے علم و عمل میں مزید ترقی دیں، آمین!
(اقرا عطا البصیر۔ تھل نجیب)

ج: آمین ثم آمین۔

⊛ شمارہ 906 میں 'پاگل' تو لگتا ہے، میری کہانی تھے۔ پڑھ کر دل کو بہت تسلی ہوئی۔ شکریہ بنت شکیل اختر! 'ایک کڑوا سچ' پڑھ کر بے حد دکھ ہوا اور ساتھ ہی اپنے پاس موجود نعمتوں پر اللہ کا شکر بھی ادا کیا۔ 'جادو جنات اور ان کا شرعی علاج' بہت اچھا مضمون ہے۔ دل میں موجود کئی سوالوں کے جواب ملے۔ 'کورونا کا رونا' ایک ہلکی پھلکی مزاحیہ اور حوصلہ دینے والی تحریر تھی۔ 'اخلاص' تو ہے ہی تعریف کے قابل۔ 'رائے کو اہمیت دیجیے' بہت اہم موضوع ہے۔ بہترین لکھا۔ 'چاروں بیٹیاں' نظم نے مزہ دوبالا کر دیا۔ اُن ہستیوں کا ذکر روح کو سرشار کر دیتا ہے۔ اِس ہفتے کا سرورق بہت خوبصورت تھا اور سرورق کہانی سرورق سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔ 'قرآن کی تاثیر' پڑھ کر رشک آیا۔ کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جنھیں مرنے سے پہلے توبہ کی توفیق مل جائے۔ اللہ ہمیں بھی مرنے سے پہلے ہی آخرت کی فکر نصیب فرمادے، آمین۔ 'میرے مجاہد بیٹے کا بچپن' کی آخری قسط بہت اچھی تھی۔ بہت پہلے خواتین کا اسلام میں ام مصعب کی 'تب و تاب جاودانہ' تین چار اقساط میں شائع ہوئی تھی۔ یہ بھی ایک مجاہد کی شوقِ شہادت کی داستان تھی۔ کیا وہ قندِ مکرر کے طور پر دوبارہ شائع ہوسکتی ہے؟ اصل میں اِس طرح کے واقعات پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ سارہ الیاس صاحبہ کی 'ماسی مرچی' بہت مزاحیہ تھی۔ خصوصاً اختتام پڑھ کر ہنسی چھوٹ گئی۔ چمنِ خیال بعنوان 'صبح' اچھی کاوش رہی۔ بزمِ خواتین کی رونقیں بحال ہو چکی ہیں۔ شاید اسی لیے رسالہ پہلے سے زیادہ پسند آ رہا ہے۔
(تماضر ساجد۔ صادق آباد)

ج: ان شاء اللہ تعالیٰ بزمِ خواتین کی رونق اب قائم رہے گی۔ 'تب و تاب جاودانہ' کا شمارہ نمبر کیا ہے؟ ویسے بھی ہم قندِ مکرر کے طور پر کوئی تحریر شائع کرتے ہیں تو پرانی قاریات کو وہ قند ہضم نہیں ہوتی۔

بقیہ: غلطی کہاں پر

اچانک فریحہ کو ایک خیال نے آن گھیرا۔
وہ بے ساختہ بولی۔
''میں جان گئی ہوں عائشہ! تم سے غلطی کہاں پر ہو رہی ہے۔''
فریحہ کی آواز پر عائشہ نے چونک کر سر اٹھایا۔
''بھئی سیدھی سی بات ہے، جب تمھاری کہانیوں کا پہلا مجموعہ چھپ کر آیا تو تمھارے دل میں اور زیادہ لکھنے کی حرص پیدا ہوئی، تاکہ جلد ہی تمھارا دوسرا مجموعہ بھی چھپ جائے اور اِس زیادہ لکھنے کی کوشش میں تم اپنی ذمہ داریوں سے دست بردار ہونے لگی۔ مخلوقِ خدا سے غفلت برتنے لگی۔ وہ چھوٹے چھوٹے کام جو پہلے تمھارے نزدیک اہم تھے، اب وقت کا ضیاع اور بے معنی لگنے لگے تو پھر تم سے قلم کی روانی بھی چھن گئی۔ جب انسان کسی کام میں اتنا منہمک ہو جائے کہ اسے دوسروں کے حقوق کا احساس نہ رہے تو پھر اللہ تعالیٰ اِس کام سے اُس کی توجہ ہٹا دیتے ہیں، ایسا ہی تمھارے ساتھ بھی ہوا۔'' فریحہ خاموش ہوئی تو عائشہ نا سمجھی سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔
''یاد رکھنا، خدا کی معصوم مخلوقات کے ساتھ بھلائی ہمارے لیے آسانی کی راہیں کھولتی ہے۔ میں تمھیں ایک واقعہ سناتی ہوں، اُس کی روشنی میں تم خود سوچ لینا کہ غلطی کہاں ہو رہی ہے۔ واقعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اُن کا معمول تھا کہ ظہر سے عصر تک لکھنے کا کام کیا کرتے تھے۔ اُن کی اہلیہ نے گھر میں مرغیاں پالی ہوئی تھیں۔ ایک بار وہ کہیں جانے لگیں تو حضرت کو کہہ گئیں کہ مرغیوں کو دانہ ڈال دیجیے گا، لیکن حضرت کو دانہ ڈالنا یاد نہ رہا۔ ظہر کے بعد حسبِ معمول جب وہ لکھنے بیٹھے تو قلم چلنے سے انکاری ہوگیا۔ بہت کوشش کی لکھنے کی، مگر جب کامیابی نہ ہوئی تو چوں کہ عارف تھے، سوچنے لگے کہ کون سا فرض چھوٹا ہے یا کون سی کوتاہی ہوئی ہے جس کی وجہ سے یہ مشکل پیش آ رہی ہے؟ تب اچانک انھیں یاد آیا کہ اہلیہ نے مرغیوں کو دانہ ڈالنے کو کہا تھا اور وہ بے چاری اب تک بھوکی ہیں۔ فوراً اٹھے اور مرغیوں کو دانہ پانی ڈالا۔ واپس آ کر لکھنے بیٹھے تو قلم حسبِ معمول رواں ہوگیا۔ اب تم بتاؤ، تمھیں ملا اپنی غلطی کا سراغ؟''
فریحہ نے اُس سے پوچھا تو اُس نے اثبات میں جواب دینے کے لیے ایک نظر فریحہ کو اور دوسری نظر باغیچے اور نیم کے اداس درخت کو دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔
''غلطی کا سراغ مل جائے تو دیر نہیں کرتے، چلو اٹھو پودوں کو پانی دو اور پرندوں کو دانہ ڈالو، بلکہ اِس سے پہلے باورچی خانے میں جا کر امی کا ہاتھ بٹاؤ، پہلے کم کام ہیں اُن کے ذمے جو تم نے شام کے کام بھی اُن کے ذمے ڈال دیے۔''
فریحہ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا تو وہ کاغذ قلم ایک طرف رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''اور ہاں! میرے لیے چائے کے ساتھ بسکٹ بھی لانا۔ آخر کو اتنی دیر مغز کھپایا ہے تمھارے لیے......''
پیچھے سے فریحہ کی شوخ آواز سنائی دی تو عائشہ نے مسکراتے ہوئے ایک نظر اس پر ڈالی اور باورچی خانے میں داخل ہوگئی۔

☆☆☆

غلطی کہاں پر

بنتِ مُعاویہ۔ سرگودھا

''یااللہ!'' بے بسی کے عالم میں اُس کے منہ سے نکلا، اُس نے کاغذ قلم واپس میز پر رکھا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ آنکھوں سے نکلتا نمکین پانی اس کے اندر کے کرب کو ظاہر کر رہا تھا۔ آج پھر اُس کی کوشش ناکام ہوگئی تھی۔

گزشتہ چند ماہ سے اس کے ساتھ یہی ہو رہا تھا۔ وہ جب بھی تحریر لکھنے بیٹھتی، کبھی دو سطریں اور کبھی آدھ پیرا ہی لکھ پاتی کہ قلم مزید چلنے سے انکاری ہو جاتا۔ وہ جو کبھی ایک گھنٹے میں تحریر مکمل کر لیا کرتی تھی، اب کئی دن گزر جاتے تھے اور اس کی ہر کہانی ادھوری رہ جاتی تھی۔

''غلطی کہاں ہو رہی ہے مجھ سے؟''

وہ سوچتی لیکن کوئی سرا ہاتھ نہ آتا۔

......☆......

''کیا بات ہے، کیوں اداس ہو......؟''

وہ کاغذ قلم ہاتھ میں پکڑے کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی، جب فریحہ اُس کے پاس آ بیٹھی۔ اُس نے نظریں اٹھائیں، تب فریحہ کو محسوس ہوا کہ اس کی پلکیں بھیگی ہوئی ہیں۔

''اِن آنکھوں کو کس بات کی سزا دے رہی ہو عاشی؟''

فریحہ نے دکھ سے اسے دیکھا۔

''تمھیں پتا ہے فریحہ کہ ایک لکھاری جو کچھ محسوس کرتا ہے، جب تک اسے تحریر کی شکل میں قلم بند نہ کر لے، اسے چین نہیں ملتا۔''

''ہاں تمھارے ساتھ رہتے ہوئے میں یہ بات خوب اچھی طرح جان چکی ہوں۔'' فریحہ نے جواب دیا۔

''اور آج کل میری کچھ ایسی کیفیت ہے کہ خیالات اور جذبات بہت ہیں مگر لکھنے بیٹھوں تو خیالات بکھر جاتے ہیں۔ کہانی لکھنے کے لیے موضوعات ذہن کے کینوس پر دستک دیتے رہتے ہیں، لیکن جب اِن موضوعات کو کہانی کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے کاغذ قلم کا سہارا لیتی ہوں تو سوچیں منتشر ہو جاتی ہیں۔ موضوعات آپس میں گڈمڈ ہونے لگتے ہیں، الفاظ کہیں کھو جاتے ہیں اور یوں میری ہر کہانی ادھوری رہ جاتی ہے۔'' اُس کے لہجے میں واضح دکھ تھا۔

''فریحہ! آخر کیوں ہو رہا ہے میرے ساتھ ایسا؟ کیا میری نیت، میرے اخلاص میں فرق آ گیا ہے؟ میں نے ایک جگہ پڑھا تھا کہ جس کام میں اخلاص نہ ہو، جو کام ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے کیا جائے، اُس کام میں اِنسان کو مستقل مزاجی نہیں ملتی۔''

وہ ذرا دیر کو خاموش ہوئی اور پھر بولنے لگی:

''فریحہ! میں نے کبھی ایسا سوچا بھی نہیں کہ میری لکھی تحریروں کی وجہ سے میری شہرت ہو، کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ ریاکاری اور دکھلاوا انسان کا سارا عمل ضائع کر دیتے ہیں، لیکن اب جو مجھے لکھنے میں مشکل پیش آ رہی ہے تو یہی سوچ مجھے پریشان کرتی ہے کہ کہیں میں رب کی رضا کو چھوڑ کر اپنے نام کی خاطر تو نہیں لکھنے لگ گئی تھی کہ میرے قلم کی روانی چھن گئی ہے۔''

اُس کے اندر کا کرب اس کی آواز کے بھیگے پن سے عیاں تھا۔ فریحہ نے اپنائیت سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''ایسا کب سے ہو رہا ہے عاشی؟''

''قریباً چھے ماہ سے، جب سے میری کہانیوں کا پہلا مجموعہ چھپ کر مارکیٹ میں آیا ہے۔'' ''ہم......'' فریحہ کچھ سوچنے لگی۔

اچانک برتنوں کی آواز پر اُس نے چونک کر باورچی خانہ کی سمت دیکھا، وہاں آنٹی چائے بنانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

''پہلے شام کی چائے تم بنایا کرتی تھیں ناں، لیکن آج میں آنٹی کو باورچی خانہ میں دیکھ رہی ہوں۔''

''وہ...... میری مصروفیت کو دیکھتے ہوئے اب امی خود ہی چائے بنا لیا کرتی ہیں۔'' وہ نظریں جھکا کر بولی۔

فریحہ نے ایک لمبی سانس کھینچی اور صحن میں بنے چھوٹے سے باغیچے کو دیکھنے لگی، جہاں کبھی لیموں، موتیا، رات کی رانی، ہری مرچ اور ٹماٹر کے پودے اپنی بہار دکھا رہے ہوتے تھے، لیکن اب مناسب دیکھ بھال اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے اِن پودوں پر خزاں کا راج تھا۔ نیم کے درخت پر پرندوں کا ہجوم بھی نہیں تھا اور دیوار پر ایک قطار سے چلتی چیونٹیاں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ ''عائشہ کی عادت تھی کہ پرندوں کو دانہ ڈالنے کے ساتھ دیوار کنارے شکر کے چند دانے یا کوئی میٹھی چیز رکھ دیا کرتی تھی، اسی لیے دیوار پر ہر وقت چیونٹیوں کی قطار لگی رہتی تھی، لیکن آج نہ وہ قطار تھی نہ پرندوں کی چہکار۔ صحن کے اِس سونے پن کو محسوس کرتے ہوئے وہ حیران ہوئی اور سوالیہ نگاہوں سے عائشہ کی طرف دیکھنے لگی، لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی، سر جھکائے کورے کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی۔

(باقی صفحہ 15 پر)